

## ۲۰ سوالات اور ان کے جوابات

### صوفیہ کے اوراد و اشغال بدعت نہیں

**سوال :-** ۱۔ صوفیہ صاحبان اور خانقاہی سلسلے کے لوگوں نے تصوف کے نام پر جو اوراد و اشغال گھڑ رکھے ہیں، کیا یہ سب صحابہ کے دور میں تھے؟ سوال پیدا ہوتا ہے کہ دلوں کی صفائی کے لیے کیا صحابہ کو ان کی ضرورت تھی؟ کیا یہ بدعت نہیں؟

**جواب :-** معروف عالم دین مولانا خرم علی باہوری (۱۴۷۳ھ) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے ایک بیان کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: بعضے نادان کہتے ہیں کہ تاویر اور چشتیہ اور نقشبندیہ کے اشغال خصوصاً صحابہ اور تابعین کے زمانے میں نہ تھے تو بدعت سیئہ ہوئے۔ خلاصہ جواب یہ ہے کہ جس امر کے واسطے اولیائے طریقت رضی اللہ عنہم نے یہ اشغال مقرر کیے ہیں، وہ امر زمان رسالت سے اب تک برابر چلا آیا ہے، کو طریق اس کی تحصیل کی مختلف ہیں تو فی الواقع اولیائے طریقت مجتہدین شریعت کے مانند ہوئے۔ مجتہدین شریعت نے استنباط احکام ظاہر شریعت کے اصول ٹھہرائے اور اولیائے طریقت نے باطن شریعت کی تحصیل کی۔ جس کو طریقت کہتے ہیں۔ تو اہل مقرر فرمائے، تو یہاں بدعت سیئہ کا گمان سر امر غلط ہے۔ ہاں! یہ لبتہ ہے کہ حضرات صحابہ کو بسبب صفائے طبیعت اور حضور خورشید رسالت کی تحصیل نسبت میں ایسے اشغال کی حاجت نہ تھی، بخلاف متاخرین کے کہ ان کو بسبب بعد زمان رسالت کے، البتہ اشغال مذکورہ کی حاجت ہوئی، جیسے صحابہ کرام کو قرآن اور حدیث کے فہم میں تو اہل صرف و نحو کے دریافت کی حاجت نہ تھی اور اہل نجوم اور باطن علم عرب اس کے محتاج ہیں۔ واللہ اعلم (شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل ص ۱۱۸)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ جو لوگ اس قسم کا اعتراض کرتے ہیں وہ نادان ہیں۔ مولانا خرم علی باہوری غیر مقلدین کے ہاں غیر معروف نہیں ہیں، یہ لوگ حضرت موصوف کوراہو توحید کے غازی اور حضرت سید احمد شہید کی مقدس فوج کو اہل علم اور صاحب حال و قال سپاہی کہتے ہیں۔ (مقدمہ تصبیح المسلمین۔ شائع کردہ مکتبہ سلفیہ لاہور) نیز ان کے اشعار خصوصاً یہ شعر غیر مقلد کی زبان پر ہوتا ہے کہ۔۔۔ ہوتے ہوئے مصطفیٰ کی گفتار مست دیکھ کسی کا قول و کردار (ایضاً ص ۸۲) ظاہر ہے کہ اگر صوفیہ کے ان اشغال میں کسی پہلو سے بدعت کا شائبہ ہوتا تو آپ کبھی تاخیر نہ کرتے آپ کا ان لوگوں کو نادان کہنا جو اس پر اعتراض کرتے ہیں، بتاتا ہے کہ یہ اشغال بدعت نہیں ہیں۔

### اسلام میں قیاس کی حیثیت

**سوال :-** ۲۔ اسلام میں قیاس کی کیا حیثیت ہے؟

**جواب :-** اسلام میں کسی چیز کو ثابت کرنے کے لیے چار اصول مقرر ہیں: قرآن، سنت، اجماع امت اور قیاس شرعی۔ یہ اولاد اور بعد اہل انہی ہیں، یعنی جب کسی مسئلہ میں کوئی نص نہ ملے یا اجماع امت نہ ملے تو اس وقت قیاس شرعی سے استدلال کیا جاتا ہے۔ غیر مقلدین کے امام مولانا محمد اسلمیل سنی مرحوم (گوجرانوالہ) فرماتے ہیں کہ قیاس کا ثبوت خود قرآن کریم سے ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

اللہ الذی انزل الکتاب بالحق والحق والیزان (الشوری: ۱۷)

ترجمہ: اللہ نے کتاب کو حق کے ساتھ اتارا اور اس کے ساتھ میزان کو بھی اتارا

جس میزان کا تعلق کتاب کے ساتھ ہے اور اس کے ساتھ وہ اتری ہے یہ ترازو وہ نہیں جو مادی اور جسمانی چیزوں میں توازن کے لیے بنائی گئی ہے، اس سے مراد وہی میزان ہے جو کتاب کے فہم اور اولاد شرعیہ میں جس سے بصیرت ہوتی ہے جس سے مختلف نظائر کے حکم میں توازن ہوتا ہے اس کا فہمی اور اصطلاحی نام قیاس سمجھ لینا چاہیے؛ لیکن حقیقت میں وہ میزان ہے: اس لیے نہ قیاس کی ضرورت سے انکار کیا جاسکتا ہے اور نہ اپنے مقام پر اس کی حیثیت اور افادیت کو نظر انداز کیا جاسکتا ہے۔ (تحریک آزادی قرص: ۵۶)

آپ ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

نظاراً اور ملتی جلتی چیزوں کے احکام بھی باہم متشابہ رہنے چاہئیں، عقل سلیم کا یہی فتویٰ ہے، قرآن حکیم نے ”انزل الکتاب بالحق والعیزان“

فرما کر قیاس کے اسی پہلو کو واضح فرمایا ہے۔ (ایضاً ص ۱۵۸)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اہل حدیث باصلاح جدید کے یہاں قیاس کا ثبوت خود قرآن کریم سے ہے، گویا نص سے قیاس کا شرعی وجود ثابت ہے اب پیشوائے اہل حدیث جناب نواب صدیق حسن خاں صاحب سے سنئے: آپ اسے اصول شریعت میں سے ایک اصل کہتے ہیں:

ذهب المجمعہ من الصحابة والتابعین والفقہاء والمتکلمین الی ان القیاس الشرعی اصل من اصول الشریعة یستدل بہ

علی الاحکام النبی یرد بہا السمع و لیس فیہا نص ولا اجماع۔ (ادب ص ۱۲، ماخوذاً کلام المفید ص ۱۱۳)

جمہور حضرات صحابہ اور تابعین اور فقہاء اور متکلمین اس طرف گئے ہیں کہ شرعی قیاس اصول شریعت میں سے ایک اصل ہے احکام سعی میں (ان مسائل میں جو روایت سے چلتے ہوں): جب ان کے اثبات کے لیے کوئی نص اور اجماع نہ ہو تو قیاس شرعی سے استدلال کیا جاسکتا ہے۔

جناب نواب صاحب نے افادۃ اشبوخ کے ص ۲۲ پر بھی یہ بات تحریر کی ہے اور کل کر قیاس کی حیثیت کا اقرار کیا ہے۔ حافظ ابن قیم حنبلی (۷۵۱ھ) لکھتے ہیں کہ حضور کے صحابہ اور تابعین بھی قیاس کا استعمال کرتے تھے، حافظ ابن قیم قدس سرہ کا یہ بیان غیر مقلد عالم مولانا عبد الرحمن مبارکپوری نے بھی نقل کیا ہے اور اس کی تائید بھی کی ہے۔

قال ابن قیم قال المزی فی الفقہاء من عصر الرسول صلی اللہ علیہ وسلم الی یومنا و ہلم جوا استعمالوا المقایس فی الفقہ

فی جمیع الاحکام فی امر دینہم۔۔۔۔ الامر کما قال ابن قیم (تحفۃ الاحوذی، ج ۲، ص ۲۷۶)

حافظ ابن قیم فرماتے ہیں کہ امام مرنی کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے لے کر ہمارے دور (تیسری صدی ہجری) تک فقہاء کرام تمام دینی مسائل میں قیاس کا استعمال کرتے تھے۔

مولانا مبارکپوری فرماتے ہیں کہ حقیقت یہی ہے جیسا کہ حافظ ابن قیم نے فرمایا ہے۔

یہ اہل علم حضرات کی بات ہے ورنہ غیر مقلدین کے چھوٹے بڑے یہ کہتے نہیں جھٹکتے کہ قیاس کا استعمال تو سب سے پہلے شیطان نے کیا ہے اور یہ خنی لوگ سب اس کی تقلید کر رہے ہیں۔ (لاحول ولا قوۃ الا باللہ)

### کیا صحیح بخاری میں احناف کی مخالفت کی گئی ہے؟

**سوال :-** ۳۔ امام بخاری اپنے دور کے امیر المؤمنین فی الحدیث تھے، انھوں نے امام ابوحنیفہؒ سے کیوں ایک روایت بھی نہیں لی؟ نیز کیا یہ بات صحیح نہیں کہ امام بخاری نے بخاری شریف میں قال بعض الناس کہہ کر حنفیہ کو آڑے ہاتھوں لیا ہے؟ اور ان کی مخالفت کی ہے؟

**جواب :-** ۴۔ امام بخاریؒ اس وقت حیات نہیں کہ ہم ان سے اس کا سبب دریافت کریں اور نہ ہی آپ نے کہیں اس کی صراحت کی ہے کہ میں نے ان وجوہات کی بناء پر امام ابوحنیفہؒ سے کوئی روایت نہیں لی۔ امام ابو داؤد و حضرت امام بخاری کے شاگرد ہیں، انھوں نے اپنی سنن میں امام بخاری سے صرف ایک روایت لی ہے تو کیا اس کا یہ مطلب سمجھا جائے گا کہ ان کے نزدیک امام بخاری صرف ایک روایت میں ثقہ تھے؟ (معاذ اللہ)

پھر یہ بات بھی مسلم ہے کہ روایت حدیث میں حضرت امام بخاری کا اپنا ایک وضع کردہ موقف تھا، اس قاعدہ پر جو بھی اترتا آپ نے ان سے روایت لے لی، خواہ اس راوی کا تعلق روافض سے ہو یا خوارج سے۔ اور اگر کوئی آپ کے اس وضع کردہ قاعدہ پر پورا نہ اترتا تو آپ نے اس کی روایت نہیں لی، خواہ وہ امام جعفر صادق ہوں یا امام شافعی ہوں یا دیگر ائمہ محدثین ہوں۔ حضرت امام مسلم نے بعض المستحلین فی علم الاثر کہہ کر کہن حضرت کی شروط روایت پر تعریض کی ہے۔ غیر مقلدین پیشوا مولانا وحید الرحمن حیدر آبادی صاحب نے امام بخاری کی شکایت کی ہے کہ انھوں نے خوارج (خارجی فرقہ کے لوگوں) سے تو روایات لیں، مگر حضرت امام جعفر صادق سے کوئی روایت نہیں لی۔ آپ لکھتے ہیں:

امام جعفر صادق مشہور امام ہیں بارہ اماموں میں سے، بڑے ثقہ فقہ حنفیہ تھے، امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے (بعض روایات میں) شیخ ہیں اور

امام بخاری کو معلوم نہیں کیا شبہ ہو گیا کہ وہ اپنی صحیح میں ان سے روایت نہیں کرتے اور یحییٰ بن سعید قطان نے بڑی بے ادبی کی ہے جو کہتے ہیں فسی

نفسی شہ منہ ومجالد احب الی منہ حالانکہ مجالد امام صاحب کے سامنے کیا رتبہ ہے ایسی ہی باتوں کی وجہ سے تو اہل سنت بدنام ہوتے ہیں

کہ ان کو ائمہ اہل بیت سے کچھ محبت واعتقاد نہیں ہے، اللہ امام بخاری پر رحم کرے مروان اور عمران بن حطان اور کئی خوارج سے تو انھوں نے روایت کی

اور امام جعفر سے جو ان رسول اللہ ہیں ان کی روایت میں شبہ کرتے ہیں۔ (لغات الحدیث، ج ۱، ص ۶۲ ج)

مولانا موصوف یہاں صرف اسی کی شکایت نہیں کر رہے ہیں کہ امام بخاری نے ان سے کوئی روایت نہیں لی بلکہ اس پر بھی شکی ہیں کہ امام بخاری کے اس طرز عمل سے اہل سنت بدنام ہو رہے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ موصوف کا یہ نتیجہ غلط ہے، ان کی اس شکایت کے پیچھے ان کی شیعیت بول رہی ہے۔ امام بخاری نے تو امام شافعی سے بھی کچھ نہیں لیا۔ فتاویٰ ثنائیہ کا یہ بیان ملاحظہ فرمائیں:

صحیح بخاری میں امام شافعی سے آپ نے (یعنی امام بخاری نے) کچھ اخذ نہیں کیا صرف ایک جگہ بلط ابن اور لیس ان کا نام تو لیا ہے مگر ان سے نہ کوئی حدیث لی

ہے اور نہ کسی اجتہادی مسئلہ میں ان کی پیروی کی ہے اور نہ کسی جگہ میں ان کا نام لے کر کسی مسئلہ میں ان کی تائید کی ہے، پس اس سے ثابت ہوا کہ وہ امام شافعی کو

لائق اتباع و باخذر روایت نہیں سمجھتے، اگر ایسا سمجھتے تو ان کی روایت کو ترک نہ کرتے پس باوجود ثقہ ہونے امام شافعی کے، ان سے امام بخاری نے کوئی حدیث

روایت نہیں کی۔ (فتاویٰ ثنائیہ ج ۱، ص ۳۸۵)

اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ حضرت امام بخاری نے امام ابوحنیفہ کے بعض تلامذہ سے روایتیں لی ہیں:

ربانج بخاری میں قال بعض الناس کا اشارہ تو عرض یہ ہے کہ اس سے مطلقاً احناف مراد لینا بھی درست نہیں ہے۔ امام بخاری معصوم تو نہیں ہیں۔ نواب صدیق حسن خان قنوجی نے آپ کو شوافع میں لکھا ہے، سو امام بخاری نے اگر احناف سے کچھ اختلاف کیا ہے تو امام شافعی سے بھی ان کے اختلافات کچھ کم نہیں ہیں یہ کوئی چوٹ کی بات تو نہیں ہے اور نہ ہی اس میں کوئی حقیقت ہے کہ آپ نے اس اشارے سے احناف ہی مراد لیے ہیں۔

اہل علم جانتے ہیں کہ جس طرح امام بخاری نے بعض مسائل میں احناف سے اختلاف کیا، اسی طرح بعض محدثین حتیٰ کہ خود ان کے اپنے تلامذہ نے بھی ان سے بعض مسائل میں اختلاف کیا ہے، اگر قال بعض الناس کہنا آڑے ہاتھوں لینا ہے تو شدد قسم من اہل العلم کو بھی اسی صف میں شامل کر لیجئے۔ یہ امام ترمذی کا بیان ہے جو امام بخاری کے تلمیذ رشید ہیں۔ رہے آپ کے استاذ حدیث اور شیخ اور وقت کے محدث اور امام حضرت محمد بن یحییٰ ذہلی، تو انھوں نے حضرت امام بخاری کے لیے اس سے بھی سخت جملہ کہا ہے۔ مولانا وحید الرحمن موصوف لکھتے ہیں:

محمد بن یحییٰ ذہلی نے جو بڑے محدث اور امام بخاری کے شیخ تھے، اس کلام پر امام بخاری کو طعن کیا کہ بدعتی ہیں۔ (جمیر الباری ج ۹، ص ۵۶۵)

اب سوال یہ ہے کہ کیا امام بخاری اپنے شیخ کی نظر میں بدعتی تھے؟ ہرگز نہیں۔ معروف غیر مقلد پیشوا مولانا وحید الرحمن حیدر آبادی لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اپنی صحیح میں کئی مقاموں میں یوں کہا ہے: ”قال بعض الناس“ اور اس سے حنفیہ یا امام ابوحنیفہ یا امام محمد یا امام شافعی کو مراد لیا ہے، ”بعض

الناس“ کوئی تحقیر کا کلمہ نہیں ہے۔ (لغات ص ۸۰ ب)

موصوف ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

یہاں سے ان لوگوں کا جواب ہو گیا، جو کہتے ہیں کہ امام بخاری نے بعض الناس کے لفظ سے امام ابوحنیفہ کی تحقیر کی ہے؛ کیوں کہ بعض الناس کوئی تحقیر کا کلمہ

نہیں ہے، اگر تحقیر کا کلمہ ہوتا تو امام شافعی کے لیے کیوں استعمال کرتے۔ (جمیر الباری ج ۹، ص ۶۳۲)

اس میں آپ نے بتایا کہ اس سے صرف احناف مراد لینا درست نہیں ہو سکتا ہے، امام شافعی مراد ہوں اور اگر احناف ہی کو مراد مانا جائے، تو بھی بقول نواب صاحب یہ کوئی کلمہ تحقیر نہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ آج کے غیر مقلدین اسے کلمہ حقارت سمجھتے ہوں۔ تاہم یہ بات یاد رکھیں کہ حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری نے اپنے رسالہ دفع الوسا میں امام بخاری کے ایک ایک قال بعض الناس کا پورا جواب دیا ہے۔ فرمہ اللہ تعالیٰ عنہما

جہاں تک صحیح بخاری کی عظمت کا تعلق ہے تو اہل سنت ہمیشہ سے اس کا اعتراف کرتے چلے آئے ہیں، مگر غیر مقلدوں کے ہاں صحیح بخاری کی عزت و عظمت کا دعویٰ صرف زبانی ہے یا پھر ان چند مسائل میں جو اس جدید فرقہ کے ہاں ملتے ہیں جیسے فاتحہ خلف الامام یا رفع یدین عند الکوع وغیرہ۔ ورنہ ان کے یہاں یہ کتاب اختلاف پیدا کرنے والی ہے اور اسے آگ لگا دینے تک کی بات کی گئی ہے۔ غیر مقلدوں کے جناب مولانا بشیر الرحمن صاحب مستحق نے کتنی غیر مستحق بات کہی ہے، اسے بھی ملاحظہ کر لیجئے۔ ۱۹۸۲ء میں تہران (ایران) میں اتحاد امت کے موضوع پر ایک کانفرس منعقد تھی، جس سے موصوف نے بھی خطاب کیا انھوں نے اپنے خطاب میں شیعہ سنی اختلاف کو ختم کرنے کا جو نسخہ تجویز کیا وہ یہ تھا کہ سنی مسلمان صحیح بخاری کو آگ میں ڈالیں اور شیعہ اصول کا فی کوحوالہ آتش کر دیں۔ موصوف کا خطاب ملاحظہ کریں:

اختلاف کرنا ضروری ہے، مگر اختلاف ختم کرنے کے لیے اسباب اختلاف کو مٹانا ہو گا، فریقین کی جو کتب قابل اعتراض ہیں ان کی موجودگی



اختلاف کی بجٹی کو تیز تر کر رہی ہے؛ کیونکہ نہ ہم اسباب ہی کو ختم کر دیں اگر آپ صدق دل سے اتحاد چاہتے ہیں، تو ان تمام روایات کو جلا نا ہوگا جو ایک دوسرے کی دل آزاری کا سبب ہیں۔ ہم بخاری کو آگ میں ڈالتے ہیں آپ اصول کافی کو نذر آتش کر دیں آپ اپنی فقہ صاف کریں ہم اپنی فقہ صاف کر دیں گے۔ (ماخوذ آتش کدہ ایران ص: ۱۰۹، از اختر کا شیری)

غیر مقلد عالم کا صحیح بخاری کو اختلاف پیدا کرنے والی کتاب کہنا اور اسے دل آزاری کا سبب بتانا قابل مذمت ہے، شیعوں کو تو موجودہ قرآن کریم سے ہی اختلاف ہے اور وہ اسے اختلاف پیدا کرنے اور امت میں دل آزاری کا سبب بتاتے ہیں، تو کیا شیعوں کے کہنے پر ہم قرآن کریم کو بھی آگ میں ڈال دیں گے؟ حضرت امام بخاری کے موقف اور آپ کی فقہ سے بہت سوں نے اختلاف کیا ہے اور شدت سے کیا ہے؛ لیکن کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ یہ امت میں اختلاف پیدا کرتی ہے اور شیعہ سنی کو ایک ہونے نہیں دیتی اس لیے اسے ختم کر دو۔ موصوف نے بین الاقوامی اسٹیج پر صحیح بخاری کو آگ میں ڈالنے کا بیان دے کر اہل سنت و جماعت مسلمانوں میں ایک آگ لگا دی ہے۔ اور اس سے ان لوگوں کی صحیح بخاری کی محبت اور عظمت کا محرم مکمل جاتا ہے۔ بڑے شیعہ تو اہل سنت محمد شین کے خلاف یہ غبار نہیں رکھتے جو یہ چھوٹے شیعہ اپنے دلوں میں صحیح بخاری کے خلاف دل میں سموئے ہوئے ہیں۔ ان کے اصول حدیث کے رسالہ کو ہر مراہمیں ہے:

”اہل انصاف از فرقہ بنیامحمد شین ایٹانند“

سو انہیں (شیعہ کو) اگر بغض ہے تو امام ابوحنیفہ سے ہے امام بخاری سے ہرگز نہیں۔

## غیر مقلدوں کا عقیدہ تصرف اور علم غیب

**سوال :- ۴** غیر مقلد پروفیسر طالب الرحمن صاحب نے الدیوبندیہ نامی کتاب میں بتایا ہے کہ علمائے دیوبند اپنے بزرگوں کے بارے میں تصرف اور علم غیب کا عقیدہ رکھتے ہیں، اسی طرح انھوں نے یہ بھی سرخی باندھی ہے کہ حیات و موت کے مالک علمائے دیوبند ہیں، اسی طرح دیوبندی بہت سے امور میں خلاف تو حید عقیدہ رکھتے ہیں؟ کیا یہ بات درست ہے؟

**جواب :-** علمائے دیوبند کے عقائد ڈھکے چھپے نہیں ہیں اور نہ ہی یہ کوئی آج کی پیداوار ہیں۔ عقائد و مسائل پر ان کی کتابیں عام ملتی ہیں۔ الحمد علی المفسد عربی میں ہے اور یہ علمائے حرمین کی نظر سے مخفی نہیں۔ علمائے حرمین نے اس میں بتائے گئے عقائد و مسائل کو کبھی کفر و شرک نہیں کہا تھا۔ پروفیسر طالب الرحمن نے اپنی اس کتاب میں امانت و دیانت کا جس طرح خون کیا ہے، وہ واقعی قابل دید ہے۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب نے جس طرح علمائے دیوبند کے ذمہ کچھ عقائد منسوب کیے اور ان کی کتابوں میں تحریف و تغیر کر کے ان پر کفر کا فتویٰ لگایا۔ طالب الرحمن نے ان واقعات کو جس کا تعلق کشف و کرامات سے ہے اور جو اپنی جگہ تفصیل کے محتاج ہیں، انہیں عقائد کا نام دیا اور ان تفصیلات کو بیان کیے بغیر یہ تاثر دیا کہ یہ لوگ اپنے بزرگوں کے بارے میں واقعی علم غیب..... تصرفات..... وغیرہ کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ حالانکہ اگر موصوف اپنے اہل حدیث مذہب کی کتابوں پر نظر کریں، تو انہیں وہاں اس سے زیادہ عجیب و غریب قسم کے واقعات ملیں گے۔ لیجئے چند مثالیں ملاحظہ کیجئے۔

شیخ اکل فی اکل مولانا میاں نذیر حسین دہلوی سب غیر مقلدوں کے شیخ و پیشوا ہیں اور انہی سے یہ اپنے فرقہ کا آغاز کرتے ہیں، ان کا ایک واقعہ ان کے سوانح نگار کی زبانی سنئے:

ایک شخص کو میاں صاحب سے دشمنی تھی ایک دن اس نے میاں صاحب کو قتل کرنے کی سازش بنائی اور مسجد کے راستے میں ایک جگہ چھپ کر بیٹھ گیا کہ جب آپ نماز کے لیے لگیں گے، قتل کر دوں گا۔ چنانچہ جب میاں صاحب نماز کے لیے چلے، تو وہ شخص تلوار لے کر سامنے کھڑا ہو گیا، میاں صاحب نے اس سے کہا اگر میں فاطمہ کی اولاد ہوں تو اپنے ارادے میں کامیاب نہیں ہو سکتا، آپ کا یہ ہتلمہ پورا بھی نہ ہوئے پایا تھا کہ دشمن کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ گئی اور وہ ایسا بہوت ہو گیا کہ اس کے بدن پر کچلی طاری ہو گئی، بھاگا ہوا اپنے گھر پہنچا، پہنچتے ہی اسکے پیٹ میں شدید درد اٹھا جو موت پر ہی منتہی ہوا۔ (الحیات بعد الممات ص: ۱۷۸)

کہتے ہیں کہ یہ حضرت شیخ کی زبردست کرامت تھی، مگر غیر مقلدین کے پروفیسر طالب الرحمن اور ان کے ہموا یہاں کہیں گے کہ یہ غلط ہے۔ اصل یہ ہے کہ حضرت شیخ رحمہ اللہ موت و حیات کے مالک ہیں۔ (معاذ اللہ) وہ چاہیں تو اس طرح چٹکی بجا کر کسی پر موت وارد کر سکتے ہیں (معاذ اللہ)۔ اگر ہم مولانا محمد قاسم نانوتوی کی ایک کرامت پر عربوں کو یہ مغالطہ دے سکتے ہیں کہ علمائے دیوبند کے عقیدے میں مولانا نانوتوی ہی نہیں بلکہ شیخ اکل فی اکل میاں نذیر حسین دہلوی مرحوم بھی تھے۔ کیا غیر مقلدوں کو یہ بات منظور ہے؟ لیجئے تصرف پر بھی ایک واقعہ دیکھتے جائیے، اس کے ناقل مولانا عبد المجید خادم سوہدری ہیں جو سیرت ثانی کے مصنف اور غیر مقلدوں کے معروف عالم ہیں موصوف مولانا غلام رسول صاحب (قلعہ میاں سنگھ) کے بارے میں لکھتے ہیں:

ایک بار ایک جام آپ کی حجامت بنا رہا تھا کہ اس نے شکایت کی، حضور میرا بیٹا کئی سال سے باہر گیا ہوا ہے، جس کا ہمیں کچھ پتہ نہیں کہ کہاں ہے؟ زندہ ہے یا مر گیا بس ایک ہی بیٹا تھا اس فکر میں ہم تو مرے جا رہے ہیں۔ آپ تھوڑی دیر خاموش رہے، پھر فرمایا میاں وہ تو گھر بیٹھا ہے اور روٹی کھا رہا ہے جاؤ اور پیٹنگ جا کر دیکھ لو حجام گھر گیا تو بیچ بیچ آیا ہوا تھا اور کھانا کھا رہا تھا، بیٹے سے ماہر اپو چھا تو اس نے کہا کہ ابھی ابھی میں سکھر سندھ میں تھا، معلوم نہیں مجھے کیا ہوا اور کیونکر طرہ العین (پلک جھپکنے میں) یہاں پہنچ گیا۔ (کرامات اہل حدیث ص: ۱۳)

اب آپ ہی فرمادیں کہ ہم اس واقعہ سے کیا نتیجہ اخذ کریں؟ اسے ہم کرامت کہیں، تو اس سے طالب الرحمن کی بنائی عمارت زمین بوس ہو جاتی ہے اور اگر ہم اس سے وہی نتائج اخذ کریں اور اسی زبان میں بات کریں، جو طالب الرحمن صاحب سمجھتے ہیں، تو پھر غیر مقلدیت شرک کی نجاستوں میں بری طرح آلودہ نظر آتی ہے۔ اور یہ کہنا پڑتا ہے کہ غیر مقلدین اپنے بزرگوں کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ علم غیب رکھتے تھے اور وہ تصرف کرتے تھے۔ وہ اپنے حجام کے لیے سر جھکا کر کشف کیا کرتے تھے اور یہ سب کچھ ان کے اپنے اختیار میں ہوتا تھا۔ اگر یہ نتیجہ غیر مقلدوں کو پسند نہیں، تو وہ طالب الرحمن کو اپنے سینے سے کیوں لگائے بیٹھے ہیں؟

شیخ اکل فی اکل مولانا نذیر حسین دہلوی صاحب کے شاگرد مولانا غلام رسول صاحب (قلعہ میاں سنگھ) کی ایک اور کرامت دیکھتے جائیے، جو ان کے صاحبزادے محترم عبدالقادر صاحب نے بیان کی ہے:

قلعہ میاں سنگھ کا ایک چوکیدار گلاب نامی موضع مرالیوالہ میں چوکیدار مقرر ہوا اور وہاں کی ایک بیوہ دھوین پر فریفتہ ہو گیا، مرالیوالہ کے لوگوں کو اس کا ظلم ہوا تو انھوں نے چوکیدار کو نکال دیا وہ روزانہ مولوی صاحب کے پاس جاتا اور کہتا کہ حضرت میں مرچکا ہوں، کوئی تدبیر کریں ایک دن مولوی صاحب نے اپنے خادم بڑھا کشمیری کو کہا کہ اس سے قسم لے لو کہ کاج کے بغیر اسے نہیں چھوئے گا، اس نے قسم اٹھائی مولوی صاحب نے کہا کہ عشاء کے بعد اپنے گھر کی چھت پر کھڑے ہو کر مرالیوالہ کی طرف منہ کر کے تین دفعہ کہنا آجا آجا آجا۔ پھر مجھے بتانا..... (پھر کیا ہوا سنئے)

تیسرے روز عصر کے قریب عورت مذکورہ گلاب کے گھر آگئی اور کہنے لگی کہ پرسوں سے لے کر اب تک میرے تن بدن میں آگ لگی ہوئی تھی، تمہارے گھر میں داخل ہوتے ہی آرام ہو گیا، گلاب اس عورت کو پکڑ کر اندر لے گیا اور دو اتار تین روز اندر ہی رہا۔ تیسرے روز قتلولہ کے وقت مولوی صاحب نے بڑھا کشمیری کو بلا کر فرمایا کہ جاؤ اور اس موڈی کو پکڑ کر لاؤ، وہ اس وقت زنا کر رہا ہے۔ بڑھا گیا اور گلاب کو فوراً پکڑ لیا مولوی صاحب نے کہا جا میری آنکھوں کے سامنے سے دور ہو جا، وہ لوٹ کر گھر گیا وہ عورت جیسے آئی تھی ویسے ہی خفا ہو کر چلی گئی۔ (سوانح حیات مولانا غلام رسول ص: ۱۰۰، از: عبدالقادر)

اب یہ تو غیر مقلدین ہی بتائیں گے کہ یہ جرات حضرت مولانا مرحوم کی تھی یا اس گلاب کی کہ جس کے آجا آجا آجا کہنے پر عورت کے تن بدن میں آگ لگ گئی اور وہ بے قرار ہوئے اختیار ہو کر گلاب کے قدموں میں پہنچ گئی، پھر اس کے ساتھ یہ مسئلہ بھی حل ہونا باقی ہے کہ حضرت مرحوم نے تین دن تک گلاب اور اس دھوین کے اس فعل سے وائف ہونے کے باوجود اسے اس قدر آزاد کیوں چھوڑ رکھا تھا، جب کہ اس سے اس بات پر قسم بھی لے لی گئی تھی کہ وہ بغیر نکاح کے اس کو چھوئے گا نہیں۔

اب یہ بھی دیکھتے جائیے کہ غیر مقلد کس طرح چلتی گاڑی پر تصرف کیا کرتے تھے اور ان کے حکم سے گاڑی رک جاتی تھی اور پیچھے لوٹنے پر مجبور ہو جاتی تھی۔ غیر مقلدوں میں حافظ محمد عظیم محمدی نام کے ایک بزرگ ہوئے ہیں، آپ مولانا عبد المجید غزنوی مرحوم کے پاس مدرسہ غزنویہ امرتسر میں بھی کچھ عرصہ رہے اور ان سے استفادہ کیا، مولانا عبد العظیم انصاری غیر مقلد کا کہنا ہے کہ ان کا قلمی لگاؤ اور دینی رجحان تصوف و ملوک سے تھا۔ موصوف کے اصرار پر ان کے صاحبزادے مولانا محمد یعقوب صاحب نے ان کا ایک واقعہ اس طرح بیان کیا ہے:

موضع میر محمد میں ایک صاحب محمد شفیع رہتے ہیں جو زمیندار ہیں، ان کا بیان ہے کہ میں دوران تعلیم موضع رکھانوالہ کے کڈل اسکول میں داخل تھا اور ہر روز پیدل چل کر نوالہ پڑھنے جایا کرتا تھا، ایک روز اسکول جانے کے لیے گھر سے روانہ ہوا تو میں نے دیکھا کہ میرے آگے حافظ صاحب تیز تیز قدم جا رہے ہیں، دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ انھیں اسٹیشن سے گاڑی پر سوار ہو کر اپنے روحانی استاذ کے پاس جانا ہے، گاڑی کے آنے کا وقت بہت قریب تھا، میں نے کہا حافظ صاحب آپ گاڑی پر سوار نہیں ہو سکیں گے؛ کیونکہ اس کے آنے کا وقت ہو گیا ہے۔ انھوں نے کہا تم میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ اور جب دایاں قدم اٹھاؤ تو کہو ”اللہ“ اور بائیں قدم پر کہو ”ہو“۔ بس اسی طرح چلتے رہو اور میرے ساتھ کوئی بات نہ کرنا خاموش رہنا۔ ابھی ہم یہ باتیں کر رہے تھے کہ راجہ جنگ اسٹیشن سے گاڑی کی آواز آئی، میں نے کہا حافظ صاحب گاڑی تو آگئی، میں نہ کر آپ نے مجھے جھڑکا کہ بیوقوف بات نہ کرو ہم چلتے رہے، ابھی ایک آدھ میل رکھانوالہ اسٹیشن سے اوجھرتے کہ گاڑی ہمارے پاس سے گزر گئی میں نے پھر کہا حافظ صاحب گاڑی نکل گئی، آپ نے مجھے پھر خاموش رہنے کا اشارہ کیا، جب ہم اسٹیشن سے قریب ایک فرلانگ پر تھے تو گاڑی رکھانوالہ اسٹیشن سے چل پڑی، مجھے تو اسکول جانا تھا اس لیے ادھر چل پڑا لیکن حافظ صاحب بدستور اسٹیشن کی طرف گامزن تھے، میں بار بار مڑ کر دیکھ رہا تھا پھر اچانک ایک عجیب واقعہ ہوا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ تھوڑی دور جا کر گاڑی رک گئی اور پھر واپس اسٹیشن کی طرف آنے لگی، اتنی دیر میں حافظ صاحب اسٹیشن پر پہنچ گئے اور گنت لے کر گاڑی میں بیٹھ گئے اور گاڑی روانہ ہو گئی۔

مولانا عبد العظیم انصاری بتاتے ہیں کہ یہ محمد شفیع صاحب کا جیم دیدہ واقعہ ہے، اس قسم کے متعدد واقعات اور بھی بیان کیے جاتے ہیں۔ (مذکورہ ملانے بھوجیاں ص: ۲۵۴)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ غیر مقلدوں کا عقیدہ ہے کہ ان کے اکابر میں شان تصرف تھی کہ چلی جانے والی گاڑی کو بھی روک لیتے تھے اور وہ اس طرح تصرف کرتے تھے کہ گاڑی کو واپس آئے بغیر جین نہ ماتا تھا۔ غیر مقلدوں کو اگر یہ نتیجہ پسند نہیں تو وہ پھر دوسروں کے لیے اس قسم کا نتیجہ کیوں اخذ کرتے ہیں اور کرامتوں کو عقائد کا درجہ دے کر ان پر کیوں کفر و فسق کے فتوے جاری کرتے ہیں۔

گاڑی تو گاڑی رہی، انسانوں پر بھی ان کے تصرفات دیکھئے کہ کس طرح خون کے دست اور پے کر دیتے تھے۔ انہی کا واقعہ ہے:

ایک دفعہ ان کے باڑے سے ایک شہر چور چور علاقے میں بدنام تھا، ان کی بھینس چوری کر کے لے گیا تھا، جب آپ کو خبر ہوئی تو بالکل پریشان نہ ہوئے، بلکہ کہا کہ میں نے اسے معاف کر دیا لوگ کہتے رہے کہ بھینس تلاش کریں؛ لیکن آپ نے کوئی توجہ نہ لی، ادھر چور چور بھینس لے کر گیا تھا گھر جا کر سخت اذیت میں مبتلا ہو گیا، خون کے دست اور آنے شروع ہو گئی، جب زیادہ تک ہوا تو لوگوں نے کہا کہ تم نے ایک بزرگ کی بھینس چوری کی ہے، یہ اس کی بددعا کا اثر ہے، گھر والوں نے اسے ایک چارپائی پر ڈالا اور اسے اٹھا کر لے آئے، ساتھ بھینس بھی لیتے آئے، عجیب منظر تھا، آگے آگے چارپائی تھی اور پیچھے پیچھے بھینس چلی آ رہی تھی، حافظ صاحب کے پاس جا کر منت سماجت کرنے لگے کہ دعا کرو اسے آرام آجائے اور اپنی بھینس لے لو، حافظ صاحب نے کہا کہ میں نے تو اسے اسی روز معاف کر دیا تھا مگر معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے اسے معاف نہیں کیا۔ (ایضاً ص: ۲۵۵)

اب اگر کوئی شخص اس واقعہ سے یہ نتیجہ اخذ کرے کہ غیر مقلدین اپنے بزرگوں کے بارے میں تصرف کا عقیدہ رکھتے ہیں، تو ان کی یہ بات صحیح بھی جانی چاہیے اور اگر یہ واقعہ بطور کرامت کے وقوع پذیر ہوا تو پھر اس طرح کی کرامات دوسرے مکتب فکر کے بزرگوں کے بارے میں کیوں قابل قبول نہیں؟ اور ان پر الحاد و زندق کے فتوے کیوں ڈھونڈے جاتے ہیں۔

یہ معاملہ صرف مولانا موصوف ہی سے متعلق نہیں، مولانا انصاری کا کہنا ہے کہ یہ تمام خاندان ہی ہمہ آفتاب تھا، موصوف نے ان کے برادر صغیر حافظ دوست محمد کا ایک واقعہ بیان کیا ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس بزرگ میں اس قدر قوت تھی کہ وہ دوسروں کو اندھا بھی کر دیا کرتے تھے۔ آپ بھی اسے دیکھئے:

ایک دفعہ علاقہ کا ایک بدنام قسم کا چور چوری وغیرہ کی وارداتوں میں ملوث تھا، آپ کو بلا اور جھک جھک کر سلام کرنے لگا، آپ نے پوچھا کہ کیا بات ہے آج اتنی انکساری کا اظہار کر رہے ہو، وہ کہنے لگا کہ حافظ صاحب ہم نے کئی بات آپ کے موبیشی چوری کرنے کی کوشش کی ہے؛ لیکن کامیاب نہ ہو سکے، جب موبیشیوں کے قریب پہنچتے تو اندھے ہو جاتے، جب واپس ہوتے پھر بینائی درست ہو جاتی۔ آخر ہم نے یہ ارادہ ترک کر دیا کہ آپ جیسے بزرگوں کی حفاظت خدا کر رہا ہے۔ (ایضاً ص: ۲۵۶)

یہ بیانا اور اندھا کرنا تو خدا کا کام ہے، معلوم نہیں غیر مقلدوں نے کب سے یہ کام شروع کر دیا ہے اور خدا کی صفات کو اپنے بزرگوں میں تسلیم کر رہے ہیں۔ اگر یہ بات غلط ہے اور یہ نتیجہ صحیح نہیں تو غیر مقلد علماء آخر دوسرے مکتب فکر کے بزرگوں سے صادر ہونے والی ان کرامات کو کیوں قابل اعتراض سمجھ کر ان پر کفر و زندق کے فتوے لگاتے ہیں۔

یہ تو وہ زندہ بزرگوں کے تصرفات تھے، غیر مقلد پیشوا مولانا وحید الزماں مغنیدہ رکھتے ہیں کہ اولیاء اللہ کی ارواح موت کے بعد بھی تصرف کرتی ہیں اور ان سے طرح طرح کے فیوض و برکات بھی ملتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:

اولیاء اللہ کی ارواح سے بعد موت بحکم و مرضی الہی تصرفات ہوتے ہیں اور طرح طرح کے فیوض و برکات بھی۔ حضرات صوفیہ کا اس پر اتفاق ہے اور اتفاق کے ساتھ بتواتر ان سے اس قسم کے واقعات منقول ہیں جن کا انکار نہیں ہو سکتا، مگر بعض اہل ظاہر نے جو سخت تشدد اور غلو رکھتے ہیں ان سو رکاز انکار کیا ہے۔

(لفات الحدیث ج ۲ ص: ۱۷۰)

دوسروں کی آنکھ میں ننگا تلاش کرنے والے اپنی آنکھوں میں لگے شہتیر کو دیکھا کریں، تو وہ کم از کم اس قسم کی نادان حرکتوں سے باز رہ سکتے ہیں۔

## مذہب اربعہ کی مخالفت میں گمراہی کا اندیشہ

**سوال :- ۵** کیا یہ بات صحیح ہے کہ چاروں امام اگر کسی بات پر متفق ہو جائیں یا مذہب اربعہ کا کسی مسئلہ پر اجماع ہو جائے تو اس کی مخالفت گمراہی کی نشانی



ہے؟ یہ من گھڑت مسئلہ کب اور کہاں بنا ہے؟

**جواب:-** حضرات ائمہ کرام اگر کسی بات پر اتفاق کریں تو اس میں پھر اختلاف نہ کرنا چاہیے۔ مثلاً ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ تراویح کم از کم بیس رکعت ہیں تو اب اس کی مخالفت میں اٹھنا کوئی اچھا طریقہ نہیں ہے، اسی طرح ایک مجلس میں دی گئی تین طلاوتوں کا تین ہی واقع ہونا اس پر بھی ائمہ اربعہ اتفاق کرتے ہیں، اب ان کے خلاف چلنا یہ اجماع کی مخالفت کرنا ہے۔ اسی طرح یہ کہنا کہ عجمی شخص اپنے زندہ مولویوں کی تقلید کرے اور ان سے دلیل نہ پوچھے کہ یہ اس کی سمجھ سے بالا ہے تو یہ جائز ہے اور فوت شدہ اماموں کی تقلید کرنا ہے، تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ مذاہب اربعہ کے یہ مسائل ان کے اختراعی اور ان سے دلیل نہ پوچھے کہ یہ اس کی سمجھ سے کے خلاف ہیں؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ پوری امت کا اجماع ان باتوں میں ہو جائے اور یہ لوگ دین کے اس قدر اہم مسائل میں قرآن و سنت کی مخالفت پر اتر آئیں اور سب کے سب قرآن و سنت کے خلاف ایک موقف اختیار کریں۔ ہرگز نہیں۔ یہ سب بزرگ قرآن و سنت کے ہی ترجمان ہیں اور اسی کی روشنی میں ہدایت دیتے ہیں: اس لیے ایک اجماعی موقف کی مخالفت کرنا درست نہیں ہے۔ حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ میں ائمہ اربعہ میں سے کسی کی پابندی نہیں کرتا، بلکہ ان کے خلاف چلتا ہوں تو وہ اکثر مسائل میں خطا کرنے والا ہے؛ کیوں کہ اکثر مسائل شرعیہ میں حق ان چار مذاہب سے خارج نہیں ہے۔

ان اراد انہی لا اتبعہم بعدہا بکلیہا بل اختلفہا فہو منقطع فی الغالب قطعاً اذا الحق لا یخرج عن ہذہ الاربعہ فی عامۃ الشرعیۃ۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲ ص: ۲۱۹۔ مختصر الفتاویٰ المصر ص: ۶۱)

حکیم الامت حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ مرشد کے شرائط کے بیان میں لکھتے ہیں:

قرآن و حدیث کا علم اس کے پاس اتنا ہونا چاہیے کہ عجمی اور اس کی شرح غریب لغات مشکل کا ترجمہ اور اعراب مشکل اور تاویل معصل کے برابر فہمائے دین کی رائے کا بھی اسے علم ہو۔ (القول الجلیل ص: ۲۱)

اس پر راؤ حید کے غازی مولانا خرم علی بلہوری (۱۲۷۳ھ) لکھتے ہیں:

مصنف نے لفظ محتمل المعنی اور اتباع متعارفہ میں اتباع مذاہب فقہاء کی اس واسطے تصریح کی کہ چاروں اماموں کی مخالفت میں ضلالت صریح ہے یعنی اس نے ترک اجماع کیا۔ (ایضاً ص: ۲۱)

## مرزا غلام احمد کے غیر مقلد ہونے کا اقرار

**سوال :-** ۱۔ مرزا غلام احمد مقلد تھا یا غیر مقلد؟

**جواب:-** مرزا غلام احمد کے غیر مقلد ہونے میں شک نہیں ہے، تاہم یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ وہ اہل حدیث (باصطلاح قدیم یعنی طبقہ محدثین) سے ہرگز نہ تھا۔ مشہور غیر مقلد عالم مولانا محمد اسماعیل سلمیٰ مرحوم لکھتے ہیں کہ وہ نہ حنفی تھا نہ اہل حدیث تھا، بلکہ غیر مقلد تھا۔ آپ لکھتے ہیں:

مرزا غلام احمد قادیانی اپنے آپ کو بریلوی حنفی ظاہر کرتے تھے؛ لیکن حقیقت میں وہ حنفی بھی نہ تھے، اہل حدیث کا کیا ہوئے؛ البتہ غیر مقلد ہو سکتے ہیں؛ کیوں کہ وہ نہفندہ حنفی کے پابند تھے نہ وہ صحابہ و تابعین ائمہ سلف کی روش پر چلنا پسند کرتے تھے۔ تنقید حدیث کے متعلق وہ ائمہ حدیث کے بجائے اپنی ذات کو معیار سمجھتے ہیں؛ اس لیے ترک تقلید کے باوجود اہل حدیث نہیں ہیں۔ (حر یک آزادی فکر ص: ۱۸۸)

مولانا مرحوم نے آگے چل کر عبد اللہ چکڑالوی غلام احمد پرویز اور اسی مزاج کے دوسرے لوگوں کے بارے میں لکھا ہے:

یہ حضرات آوارہ مزاجی کے لحاظ سے صرف غیر مقلد ہو سکتے ہیں۔ (ایضاً ص: ۱۸۹)

اور پھر اپنے ایک پرانے ساتھی حکیم عبد الرحیم اشرف کے بارے میں لکھتے ہیں:

وہ اہل حدیث سے بھی الگ ہو رہے ہیں اور اس مردِ تقلیدی مسالک سے بھی انکا کچھ نمایاں تعلق معلوم نہیں ہوتا، وہ آج کل تقریباً ملاء علی کے قریب تشریف رکھتے ہیں، وہ کسی باقی قسم کے اسلام کی دعوت دیتے ہیں یا دینا چاہتے ہیں جو جو جوہ اسلام پسند اور دین پرور جماعتوں میں نظر نہیں آ رہا ہے؛ اس لیے وہ اصل اسلام کے لیے آج کل کافی پریشان ہیں..... ہمیں ان سے کوئی بحث نہیں البتہ خطرہ ضرور ہے، ان کی اس تلقین سے نہ مقلد پیدا ہوں گے نہ اہل حدیث؛ البتہ غیر مقلد شاید پیدا ہو جائیں، ہماری دانست میں وہ ابھی اہل حدیث ہیں۔ (ایضاً ص: ۱۸۹)

محترم مولانا سلمیٰ مرحوم کے ان بیانات سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ مرزا غلام احمد مقلد تھا یا غیر مقلد۔ ہم نے مرزا غلام احمد کو غیر مقلد کہا ہے تو کوئی زیادتی نہیں کی ہے۔ خود مولانا سلمیٰ صاحب بھی اسے غیر مقلد مانتے ہیں اور پھر حذو یہ ہے کہ اپنے ساتھی اشرف صاحب کے خطرناک خیالات کے باوجود فرماتے ہیں کہ وہ ابھی اہل حدیث ہیں۔ بہر حال آپ کے سوال کا جواب مولانا سلمیٰ صاحب کی تحریر میں موجود ہے اور مرزا غلام احمد کے غیر مقلد ہونے کی شہادت مولانا سلمیٰ مرحوم دے رہے ہیں۔

## اسلام میں تعویذ کی شرعی حیثیت اور غیر مقلدین کا شرکیہ دم کرنا

**سوال :-** دیوبندی اور بریلوی ہیروں کا تعویذ کا کاروبار کرنا کیا حدیث کی رو سے جائز ہے؟ کیا تعویذ گئے میں انکا شرک نہیں؟

**جواب:** شیطانی اثرات سے حفاظت کے لیے آیات قرآنیہ اور اسمائے الہیہ یا دیگر اویہہ یا ثورہ پڑھنا اسے لکھ کر گئے میں انکا ناجائز ہے ممنوع نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے متعلق مروی ہے: وکان عبد اللہ بن عمرو یعلمہا من بلغ من ولده ومن لم یبلغ منہم کتبہا فی صک ثم علقہا فی عقبہ۔ رواہ ابو داؤد (مشکوٰۃ ص: ۲۷۷ جامع ترمذی ج: ۲ ص: ۱۹۱)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ قرآنی آیات اور ماثورات پر مشتمل الفاظ لکھ کر کسی کے گئے میں باندھنا ممنوع نہیں ہے۔ اگر اس میں ذرہ بھر قباحت ہوتی تو آپ کے صحابی کبھی اس عمل کو اختیار نہ فرماتے۔ ہاں تعویذ کا کاروبار کرنا اور شرکیہ الفاظ لکھ کر گئے میں انکا ناجائز ہے، اس کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔ حضرت عوف بن مالکؓ کہتے ہیں کہ ہم دور جاہلیت میں جھاڑ پھونک کیا کرتے تھے، چنانچہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی بات دریافت کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا:

اعرضوا علی رقاکم لا باس بالرقی ما لم یکن فیہ شرک۔ (صحیح مسلم ج: ۲ ص: ۲۱۹)

مجھ پر اپنے وہ جھاڑ پھونک پیش کرو اگر ان میں شرک نہیں تو پھر کوئی حرج نہیں۔

محدث شہیر امام نوویؒ نے اس پر یہ باب باندھا ہے: باب لا باس بالرقی ما لم یکن فیہ شرک

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اگر تعویذ شرکیہ الفاظ سے خالی ہوں تو اس کا استعمال جائز ہے۔

غیر مقلدوں کے پیشوا شیخ اکل فی اکل مولانا میاں نذیر حسین صاحب مرحوم ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

تعویذ نوشیہ و گلو انداختن مضائقہ ندارد و اختلاف در اس بعضے تابعین کردہ اندر مشہور و صحیح جواز است۔ (فتاویٰ نذیریہ ج: ۳ ص: ۲۹۸)

تعویذ لکھ کر گئے میں ڈالنا جائز ہے، کوئی حرج نہیں بعض تابعین نے اس میں اختلاف کیا ہے؛ لیکن صحیح یہی ہے کہ جائز ہے۔

مولانا عبد الرحمن مبارک پوری صاحب مرحوم بھی گئے میں تعویذ انکا نے کے جواز کے قائل ہیں، آپ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی حدیث کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ اپنے باغ لڑکوں کو یہ کلمات سکھاتے تھے اور اپنے نابالغ لڑکوں کے لیے ان کلمات کو ایک کاند میں لکھ کر ان کے گئے میں لٹکاتے تھے (رواہ ابو داؤد و ترمذی) اس روایت کے تحت شرح حدیث لکھتے ہیں کہ جس تعویذ میں اللہ تعالیٰ کا نام لکھا ہوا ہو یا قرآن کی کوئی آیت لکھی ہو یا کوئی دعا یا ثورہ لکھی ہو سو ایسے تعویذ کا، باغ لڑکوں کے گئے میں لٹکانا درست ہے۔ ملا علی قاری مرقات میں اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

هذا اصل فی تعلیق التعویذات التي فیہا اسماء الله تعالى

یہ اصل ہے ان تعویذات کے لٹکانے میں جس میں اسماء اللہ لکھے ہوں۔ (ایضاً ص: ۲۹۹)

پیشوائے اہل حدیث جناب نواب صدیق حسن خاں قنوجی مرحوم نے اس پر ایک مستقل کتاب تحریر فرمائی ہے، جو کتاب تعویذات کے نام سے ہمارے پاس موجود ہے۔ مولانا حافظ عبد اللہ روپڑی صاحب بھی جھاڑ پھونک اور تعویذات کا ذوق رکھتے تھے۔ غیر مقلد عالم مولانا حافظ عنایت اللہ اثری صاحب مولانا عبد الکریم صاحب کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

”میں اپنے دوست کے ترغیب دلانے پر ان کے ہمراہ مولانا حافظ عبد اللہ روپڑی کی زیارت کے لیے حاضر ہوا، موصوف اس وقت تعویذات اور جھاڑ پھونک میں مشغول تھے، بہت سی ضرورت مند عورتیں پاس کے کمرے میں جمع تھیں ایک ایک کر کے پاس جاتیں اور ازلہ حاجت کے بعد گھر کو روانہ ہوتیں تقریباً دو گھنٹہ تک یہ سلسلہ بارہا ہم مسجد کے اندر بیٹھے رہے۔ (الطیر البلیغ ص: ۱۱۸)

معروف غیر مقلد عالم مولانا ابوالحسن افغانی کے پاس بھی تعویذ لکھوانے والوں کی ایک بھیڑ جمع رہتی تھی، مولانا نذیر رحمانی الطوی ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

آخر عمر میں آپ بھڑی کی ایک مسجد کے حجرے میں مقیم ہو گئے تعویذ لکھانے والوں کا تانا باندا ہوتا تھا، طلق خدا نے ان سے بڑا فیض پایا۔

(اہل حدیث اور سیاست ص: ۱۷۱)

یہ موقف عجم کے سلمیٰ (غیر مقلد) حضرات کا ہے۔ رہے عرب کے سلمیٰ شیوخ تو وہ اسے شرک سے کم درجہ دینے کے لیے تیار نہیں۔ سماعۃ الشیخ عبد العزیز بن باز کا فتویٰ اسی سلسلے میں موجود ہے، آپ اس کی روشنی میں پاک و ہند کے ان سلمیٰ حضرات کو پرکھتے تو یہ سب شرک سے آلودہ نظر آئیں گے۔

لفظ کی بات یہ ہے کہ معاملہ صرف تعویذات تک ہی نہیں، جھاڑ پھونک اور دم وغیرہ کا شغل بھی ان کے یہاں معروف رہا ہے۔ حافظ عنایت اللہ اثری صاحب کہتے ہیں کہ غربائے اہل حدیث کے امام مولانا عبد الوہاب شرکیہ دم جھاڑا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ موصوف نے حافظ صاحب کو اپنے ساتھ کام کرنے کی دعوت دی تو ساتھ ایک شرط لگائی۔ وہ کہتے ہیں:

میں نے شرکیہ جھاڑ پھونک کے ترک کرنے کی شرط لگائی، جسے پہلے تو موصوف نے منظور فرمایا، پھر نہ معلوم کہ کیا سوچا، صاف انکار کر دیا۔ (الجزیر البلیغ ص: ۷۴)

غیر مقلدوں کے شیخ مولانا محمد جونا گڑھی صاحب بھی لکھتے ہیں:

مولوی عبد الوہاب صاحب اپنی زندگی میں کافی عرصہ تک اس کی اشاعت کرتے رہے، آخر بغیر توبہ کے فوت ہو گئے، ان کے بعد ان کے صاحبزادے مولوی عبدالستار کی بھی یہی روش ہے، لہذا آپ مولوی صاحب اور ان کے صاحبزادہ کے الفاظ شرک نہ ان کے حبیفہ سے پڑھیں، یہ ایک سوال قائم کر کے پھر اس کا جواب خودی اس طرح دیتے ہیں:

سوال :- ۱۹۰۔ شرکیہ الفاظ سے سانپ کتے وغیرہ کے کانٹے ہوئے پر دم کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب :- ۱۹۰۔ بہتر تو نہیں، ہاں اگر کسی مسلمان کی غیر خواہی کے لیے بوقت مجبوری ضرورت کر بھی دے تو کوئی مضائقہ نہیں (حبیفہ ماہ رمضان سنہ ۱۳۵۵ھ) اس حبیفہ کے فائل پر مولوی عبد الوہاب کے دستخط بحیثیت مالک رسالہ اور مولوی عبد الجلیل کے دستخط بحیثیت ایڈیٹر کے ثبت ہیں، مولوی عبدالستار کے بحیثیت مفتی کے ہیں، اس صورت میں یہ تینوں اس شرکیہ دم جھاڑ پر متفق اور شریک ہیں..... مولوی عبد الوہاب صاحب تو اس سے اور کی قدم آگے ہیں اور اس طرح

کو یا ہوئے..... شرکیہ الفاظ سے غیر مسلم یا مسلم دم جھاڑا کرے تو کوئی مضائقہ نہیں..... الخ (غل مجدی ص: ۲۱)

غیر مقلدین کے پروفیسر مولوی محمد مبارک بھی لکھتے ہیں:

شرکیہ منتر سے طاعن کو مولوی عبد الوہاب صاحب نے جائز لکھا ہے۔ (آئینہ غربائے اہل حدیث ص: ۱۴)

ہمارے نزدیک جس طرح تعویذ کا کاروبار کرنا درست نہیں، اسی طرح شرکیہ الفاظ سے دم کرنا بھی جائز نہیں ہے اور جو ایسا کرتا ہے، وہ شرک کی دلدل میں جا گرتا ہے۔

## کیا روضہ اطہر پر خوشبو لگا کر جانے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوتی ہے؟

**سوال :-** ۸۔ بعض دیوبندی عالموں سے سنا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر جاتے وقت اچھی خوشبو لگا کر جانا چاہیے، نیز وہاں پورے ادب کے ساتھ کھڑے رہنا چاہیے۔ کیا خوشبو لگانے یا ادب سے کھڑا ہونے سے حضور کو خبر ہوتی ہے؟ آخر اس قسم کی خرافات کا کیا مطلب ہے؟

**جواب:-** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر پر حاضری کے کچھ آداب ہیں۔ خوشبو لگانا، صاف ستھرے کپڑے پہننا وغیرہ انہی آداب کا حصہ ہیں، یہ نہیں کہ ہمارے کپڑے کا رنگ حضور کو معلوم ہوتا ہے یا ہماری خوشبو حضور تک پہنچتی ہے۔ غیر مقلدین کے ہاں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں حیات نہیں، وہ آپ کو بے حس و حرکت میت ہی سمجھتے ہیں (لاحول ولاقوۃ)۔ پھر وہ کیوں لوگوں کو اس بات سے روکتے ہیں کہ وہاں زور زور سے بات نہ کرو یا وہاں بلند آواز سے سلام پیش نہ کرو، کیا زور سے بات کرنے اور بلند آواز سے صلوٰۃ و سلام پڑھنے سے حضور کو خبر ہو جاتی ہے؟ اگر وہ یہ کہتے ہیں کہ آداب کے خلاف ہے تو ہماری طرف سے یہ بات انہیں کیوں منظور نہیں۔

کاش کہ وہ اپنے پیشوا مولانا نواب وحید الرحمن حیدر آبادی کا عمل ملاحظہ کر لیتے تو انہیں اس قسم کے اعتراض کی ہمت نہ ہوتی۔ موصوف لکھتے ہیں:

”جب میں ۱۳۳۱ھ میں مدینہ طیبہ جانے لگا، اس زمانہ میں میں کھانے کے بعد خوشبو دار تمباکو کا حقہ پیا کرتا، مگر چلتے وقت میں نے خیال کیا کہ آنحضرت کے مزار مبارک پر اکثر جانا ہوگا اور شاید حقہ کی بو آپ کو ناگوار ہو، اس لیے میں نے یہی ہنچتے ہی حقہ پینا ایک قلم چھوڑ دیا، حالانکہ بیس بیس سال سے مجھ کو اس کی عادت تھی، مگر جن تعالیٰ کی قدرت اور اس کے رسول کریم کی کرامت ملاحظہ فرمائیے کہ مطلقاً مجھ کو یاد نہ ہوئی اور کم بخت عادت اس نے بلا تکلف مجھ سے چھڑا دی۔

(وحید لغات ماہ شہر۔ حیات وحید الزماں رض: ۷۵)

اب یہ بات غیر مقلدوں کے محقق محدث بورش اکل فی اکل کے مابین تالیف سے پوچھ لیجیے کہ آپ کے حقہ کی بو کس طرح حضور کو پہنچتی ہے؟ اگر یہ سب باتیں







جب قیام رمضان کی باری آتی ہے تو یہ ضعیف ہو جاتے ہیں اور جب جنازہ کی باری آتی ہے تو خاصے قوی ہو جاتے ہیں۔ اہل حدیث کے مشہور حکیم مولانا صادق سیالکوٹی کی کتاب صلوٰۃ الرسول میں ضعیف حدیثوں کی بھرمار ہے اور حد تو یہ ہے کہ انھوں نے اس کو استدلال میں پیش کرتے وقت ان کے ضعف کی طرف اشارہ تک نہیں کیا۔ ایک اہل حدیث عالم مولانا عبدالرؤف لکھتے ہیں:

مؤلفؒ نے اس کتاب میں کئی ایک ضعیف احادیث بھی ذکر کی ہیں، ان ضعیف احادیث کی تفصیل کے لیے مندرجہ ذیل نمبر دیکھئے (موصوف نے ۸۴ مقامات کی نشاندہی کی پھر لکھا) واضح رہے کہ یہ احادیث ان احادیث کے علاوہ ہیں جو اپنے طرق و شوہد کی بناء پر صحیح یا حسن درجہ کی ہیں۔۔۔۔۔ انھوں نے ان احادیث کو ذکر کرتے وقت ان کے ضعف کی طرف اشارہ تک بھی نہیں کیا ہے اور یہ محققین کے نزدیک جائز نہیں ہے بلکہ امام مسلم نے تو ضعیف احادیث کو جاننے کے باوجود ضعف بیان نہ کرنے والے کے حق میں انتہائی سخت الفاظ استعمال کیے ہیں۔ (مقدمہ صلوٰۃ الرسول ص: ۱۰)

## فقہی اختلافات امت کے لیے رحمت ہیں یا مصیبت؟

**سوال :-** ۱۲ مسلمانوں کے فقہی اور فروعی اختلافات امت کے لیے رحمت ہیں یا زحمت ہیں؟ اندر اربعہ سے پہلے کیا سب لوگ ایک طریقے پر نہ تھے، اگر تھے تو پھر اندر اربعہ کا اختلاف امت کے لیے رحمت کیسے بن گیا؟

**جواب :-** فقہی اور فروعی اختلافات امت کے لیے مصیبت کا سامان نہیں ہیں؛ اس لیے کہ یہ اختلافات نہ اندر اربعہ کے پیدا کردہ ہیں اور نہ ان کے مقلدین کے وضع کردہ ہیں۔ یہ ان سے بھی بہت پہلے سے چلے آ رہے ہیں۔ حدیث کی کتابوں میں اس کے دلائل و شوہد موجود ہیں۔ یقین نہ آنے تو صرف امام ترمذی کی جامع ترمذی ملاحظہ فرمائیے، جس میں تقریباً ہر حدیث کے تحت فروعی اختلاف ملے گا اور اس میں وہ حضرات بھی ملتیں گے، جو ان اندر اربعہ سے پہلے کے ہیں اور وہ کون ہیں؟ صحابہ کرام اور تابعین عظام۔ ان کے درمیان پیدا ہوئے فروعی اختلافات اندر چھتہ دین کے یہاں آئے۔ غیر مقلدوں کے مجتہد احصر مولانا حافظ عبد اللہ روپڑی صاحب لکھتے ہیں:

اندر اربعہ کا اختلاف تقریباً رب صحابہ کے اختلاف کے ہے۔ (فتاویٰ اہل حدیث ج: ۱- ص: ۴۶)

موصوف ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

ان کا (انحراف) اختلاف سلف کی روش کے اندر ہے۔ (ایضاً ص: ۱۰۶)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اندر اربعہ سے پہلے بھی لوگ ایک ہی طریقے پر نہ تھے، فروعی مسائل میں ان کے درمیان اختلاف تھا اور ان کا یہ اختلاف امت میں کبھی انتشار کا سبب نہ بنا۔ اندر اربعہ کے درمیان فروعی مسائل میں جو اختلاف نظر آتا ہے، وہ درحقیقت اوپر سے ہی چلا آ رہا ہے؛ اس لیے یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ صحابہ اور تابعین نے امت کو مصیبت میں ڈال دیا ہے اور ان کے درمیان انتشار پیدا کر دیا ہے، حالانکہ دین ایک تھا۔ اس قسم کی باتیں روافض تو کرتے ہیں اہل سنت و جماعت کو ہرگز زیب نہیں دیتی۔

## نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ کیوں نہیں پڑھی جاتی؟

**سوال :-** ۱۳ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم ہے تو آپ لوگ کیوں نہیں پڑھتے؟

**جواب :-** نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم کہیں نہیں ہے، اگر اس کا پڑھنا لازمی ہوتا تو صحابہ کرام اسے ضرور عمل میں لاتے؛ لیکن صحابہ کرام کی ایک جماعت نماز جنازہ میں قرأت فاتحہ کی تاکل نہیں ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ حضور نے نماز جنازہ میں کوئی مخصوص قرأت یا خاص دعا مقرر ہی نہیں کی۔ (المختار لابن قدامہ ج: ۲- ص: ۴۸۵)

حضرت عبد اللہ بن عمر نماز جنازہ میں قرأت نہیں کرتے تھے۔ (موطا امام مالک ص: ۲۱۰)

اسی طرح دیگر صحابہ اور تابعین کے ہاں یہ عمل نہیں ملتا؛ اس لیے اگر کوئی سورہ فاتحہ کو بہ نیت دعا پڑھے، تو اس میں کوئی حرج نہیں؛ لیکن نہ پڑھنے والوں کو برا کہنا اور ان کی نماز جنازہ کو باطل کہنا جسارت اور غلط روش ہے اور یہ صحابہ کرام سے بدگمانی پیدا کرنا ہے۔

غیر مقلدین کے ہاں مسئلہ صرف سورہ فاتحہ پڑھنے کا بھی نہیں بلکہ اس کے ساتھ قرآن کی کوئی سورۃ بھی ملانی ہے اور یہ سب جبراً (بلند آواز سے) پڑھنا۔ غیر مقلد عالم اور مفتی مولانا عبد الستار صاحب دہلوی ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

طریقہ یہ ہے کہ امام فوت شدہ مرد کے کندھوں کے برابر اور عورت کے وسط میں قبلمہ رو یا وضو کھڑے ہو کر گنہ گریہ کے ہمراہ رنج یدین کرتا ہو اپنے پر ہاتھ باندھ کر سورہ فاتحہ پڑھ کر پھر کوئی اور سورت یا آواز بلند پڑھے اور مقتدی آہستہ سورہ فاتحہ پڑھ کر خاموش ہو جائیں پھر امام تین یا چار گنہ گریوں میں درود شریف اور ادعیہ مسنونہ جبری آواز سے اور مقتدی آہستہ پڑھ کر کھڑے کھڑے امام کے ساتھ دائیں بائیں سلام بھیج دیں۔ (فتاویٰ ستاریہ ج: ۳- ص: ۷)

جو لوگ حضرت عبد اللہ بن عباس کے عمل سے استدلال کرتے ہیں، وہ بھی یہ بتانے سے قاصر ہیں کہ ان بن عباس نے سورہ فاتحہ کے ساتھ کسی دوسری سورت کو شامل کیا تھا۔

یا در ہے کہ حدیث شریف میں نماز جنازہ آہستہ پڑھنے کا ذکر ہے۔ (سنن نسائی ج: ۱- ص: ۴۸۱)

اور علامہ ناصر الدین البانی بھی اسی کے تاکل ہیں کہ نماز جنازہ سری طور پر (یعنی آہستہ) پڑھے۔ (مختصر احکام الجنائز ص: ۱۳۱)

حرمین شریفین میں بھی اندر نماز جنازہ آہستہ آواز سے پڑھاتے ہیں۔ جو لوگ نماز جنازہ جبراً پڑھانے کو سنت سمجھتے ہیں، وہ غلطی پر ہیں۔

اہل حدیث علماء لکھتے ہیں:

تعلیم کے لیے تو بلند آواز سے پڑھنا جائز ہے؛ لیکن اس کو عادت بنانا اور سنت سمجھنا صحیح نہیں۔ (الاعتصام ج: ۲۰- شمارہ ۱۹- فتاویٰ علماء اہل حدیث)

## قرآن کریم کا ادب و احترام اور غیر مقلدین

**سوال :-** ۱۴ اگر کسی جگہ قرآن کریم کی آیات والے کتبے ہوں یا وہاں قرآن اور حدیث کی کتابیں سامنے نظر آتی ہوں، تو وہاں زوجین کا آپس میں اختلاف جائز ہے یا نہیں؟

**جواب :-** قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام مبارک ہے، اس کے ادب کا تقاضا ہے کہ اس کے سامنے ہوتے ہوئے ایسے عمل سے گریز کیا جائے جس سے قرآن کی بے ادبی کا اندیشہ پیدا ہو تا ہو۔ مفسر قرآن حضرت علامہ آلوسی بغدادی لکھتے ہیں:

وان لا یجامع بحضرتہ فان ارادہ سترہ (روح المعانی)

قرآن کریم کے احترام کا تقاضا ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے جماع نہ کرنا چاہیے اور اگر یہ عمل کرنا ہو تو پھر قرآن کو مستور کر دے۔ (یعنی کپڑے وغیرہ سے ڈھانک دے یا اسے وہاں سے ہٹا دے)

البتہ غیر مقلدین کے ہاں ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ معروف غیر مقلد عالم مولانا زبیر علی زئی نے پوچھا گیا کہ جس کمرے میں قرآن یا اسلامی کتب ہوں یا دیوار پر قرآنی آیات آویزاں ہوں کیا اس میں زوجین ہم بستر ہو سکتے ہیں۔ یہ جائز ہے یا ناجائز ہے؟

موصوف نے اس کے جواب میں لکھا:

یہ جائز ہے؛ کیونکہ اس کے ناجائز ہونے پر کوئی شرعی دلیل نہیں ہے۔ (ماہنامہ شہادت اسلام آباداکتوبرہ ۱۹۹۹ء ص: ۴۰)

غیر مقلدین کا یہ فتویٰ اہم قرآن کے خلاف ہے۔

## رکوع میں شامل ہونے والے کی رکعت کا مسئلہ

**سوال :-** ۱۵ اگر کوئی شخص امام کے ساتھ رکوع میں آ کر شامل ہو گیا تو کیا اس کی یہ رکعت شمار ہو جائے گی، جب کہ حدیث ہے کہ سورہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی؟

**جواب :-** اگر کوئی شخص امام کے ساتھ رکوع میں شامل ہو جائے تو اس کی یہ رکعت شمار ہوگی، رہی حدیث تو یہ مفرد کے لیے ہے مقتدی کے لیے نہیں۔ جامع ترمذی میں امام احمد شین حضرت امام احمد بن حنبل کا یہ فتویٰ موجود ہے۔ اگر یہ بات غلط ہوتی تو بعد میں آنے والے سب محدثین بیک آواز آپ کے خلاف ہو جاتے؛ لیکن ان میں سے کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ آپ کا فتویٰ غلط ہے اور جو آپ کے فتویٰ پر عمل کرے گا اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔ یہ غیر مقلدین ہیں جو اس حدیث کو پڑھ کر نمازیوں کی نماز کو باطل قرار دیتے، ذرا بھی نہیں شرماتے۔ سنن ابی داؤد میں امام بخاری کے استاذ الامام سلفی ابن عیینہ (۱۹۷ھ) کا بھی فیصلہ مروی ہے کہ یہ حدیث اکیلے نمازی کے بارے میں ہے، امام کے پیچھے پڑھنے والے کے متعلق نہیں ہے۔

سعودی عرب کے معروف (بقول غیر مقلدین) سلفی عالم ساحتہ الشیخ عبد الحزیز بن باز ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

جب کوئی مسلم شخص مسجد میں اس وقت داخل ہوا کہ امام اور مقتدی حالت رکوع میں تھے، تو اس کے لیے مشروع یہ ہے کہ وہ گنہ گریں کہتا ہو امام کے ساتھ شامل ہو جائے، گنہ گریہ جسے کھڑے ہو کر اور پھر رکوع کی گنہ گری کے لیے جھکتے ہوئے کہے اور ایسی صورت میں وقت کی تنگی کی وجہ سے دعائے کا پڑھنا مشروع نہیں ہے، نہ ہی سورہ فاتحہ کی حاجت ہے اور اس کی یہ رکعت مکمل شمار کی جائے گی، جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت ابی بکرہ ثقفی سے روایت ہے کہ ایک دن وہ مسجد میں اس وقت داخل ہوئے جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حالت رکوع میں تھے، چنانچہ انھوں نے صف کے باہر ہی سے رکوع کر لیا اور پھر صف میں داخل ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: زاک اللہ حصا ولا تعد اللہ تمہاری حرص کو زیادہ کرے دوبارہ ایسا نہ کرنا۔ اور انہیں اس رکعت کی قضا کا حکم نہیں دیا۔ یہ حدیث مدرک رکوع کو مدرک رکعت کا جو اثر اہم کرتی ہے۔ (مجلد البلاغ سنن مارچ ۱۹۹۷ء ص: ۵۹۔ زبردارت مولانا مفتاح احمد سلفی)

غیر مقلدین کی جماعت غرباء کے مولانا مفتی عبد القہار صاحب ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

رکوع میں مل جانے سے شرعاً نماز ہو جاتی ہے۔ سورہ فاتحہ قیام میں فرض ہے، نہ رکوع میں۔ دلائل کتب حدیث میں موجود ہیں، جن میں سے ایک روایت یہ بھی ہے: "انذا جئتم الی الصلوٰۃ ونحن سجدوا ولا تعدوها شیئاً ومن ادرك الركعة ادرك الصلوٰۃ وفي رواية من ادرك ركعة مع الامام قبل ان یقیم صلیہ فقد ادركھا۔" (ابوداؤد، دارقطنی، بیہقی، طحیسی ابن خزیمہ) (فتاویٰ ستاریہ ج: ۳- ص: ۱۱۵)

البتہ غیر مقلدوں کے ہفت روزہ اہل حدیث کے ۲ مئی ۹۷ء (جلد ۲۸ ش ۱۶) میں سعودی مفتی اعظم کے اس بیان کی تردید کرتے ہوئے لکھا گیا ہے:

ہم ہفت روزہ اہل حدیث کے ذریعے فارغین کو حقیقت حال سے روشناس کرانا فرض سمجھتے ہیں کہ مدرک رکوع کا مدرک رکعت ہونے کا موقف یکطرفہ اور اس سے متعلقہ دوسری احادیث کے سراسر خلاف ہے۔۔۔۔۔ اس کے جواز کا فتویٰ قرین انصاف نہیں ہو سکتا اور پھر دوسری کئی ایک روایات۔ جن میں سورہ فاتحہ نہ پڑھنے والے کی نماز نہ ہونے کا واضح بیان ہے۔ کی بھی مخالفت ہے۔ پس حقیقی اور سچی بات یہی ہے کہ سورہ فاتحہ نہ پڑھنے والے کی قضا نماز نہیں ہوتی اور رکوع میں جماعت کے ساتھ ملنے والا نماز کے ایک اہم فرض سورہ فاتحہ اور نماز کے ایک اہم قیام کا بھی تارک ہے، پس اس شخص کی وہ رکعت ہرگز نہیں ہوتی۔

(ہفت روزہ اہل حدیث ۲ مئی ۹۷ء)

اس کا حاصل یہ ہے کہ سعودی عرب اور دیگر عرب ممالک میں جو لوگ امام احمد کے بیان کو حق جانتے ہیں اور شیخ بن باز کے فتویٰ پر عمل کرتے ہیں، ان میں سے کسی کی بھی نماز قطعاً نہیں ہو رہی ہے، وہ نماز پڑھنے کے باوجود بے نمازی ہیں اور اس پر مستزاد یہ کہ حدیث جانتے ہوئے بھی اس کی خلاف ورزی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ جماعت غربائے اہل حدیث کے امام مولانا عبد الستار صاحب کے فتویٰ میں ایک سوال کے جواب میں ہے:

ہاں! مدرک رکوع مدرک رکعت ہے۔ (فتاویٰ ستاریہ ج: ۱- ص: ۵۳)

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ تمام اہل علم کا یہی مذہب ہے کہ مدرک رکوع مدرک رکعت ہے۔ الہام انکہ احادیث نبویہ اور اقوال صحابہ و اسلاف امت سے یہ بات بخوبی ثابت ہو چکی کہ مدرک رکوع مدرک رکعت ہے۔ (ایضاً ص: ۷۷)

اگر کوئی اس کی تردید کرے تو اسے چاہیے ہم کو نمبر وار ایک دوحہ حدیث ہی ایسی بتائیں، جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صاف یہ الفاظ موجود ہوں کہ مدرک رکوع مدرک رکعت نہیں ہے۔ (ایضاً ص: ۵۸)

اب یہ فیصلہ کرنا غیر مقلدوں کا کام ہے کہ وہ اس بارے میں ایک دوحہ حدیث انہیں پیش کریں اور یہ بات ان کے غور کرنے کے لائق ہے کہ اب وہ عرب کے سلفی حضرات اور اپنے اکابر اہل حدیث کی بات مانتے ہیں یا موجودہ دور کے اہل حدیث ان کے یہاں زیادہ لائق اعتبار و اعتماد ہیں اور وہ اپنے بڑوں سے زیادہ حدیث کے عالم سمجھے گئے ہیں۔

## کافر کا ذبیحہ

**سوال :-** ۱۶ اگر کسی کافر نے حلال جانور ذبح کیا ہو تو کیا اس جانور کا گوشت حلال ہوگا یا حرام ہوگا؟ ایک غیر مقلد عالم فرماتے ہیں کہ دیوبند کے ممتاز عالم مولانا محمود حسن صاحب نے اس گوشت کی حلت کا فتویٰ صادر فرمایا ہے۔ کیا یہ صحیح ہے؟

**جواب :-** کافر کا ذبیحہ حرام ہے حلال نہیں۔ اور یہ بات غلط ہے کہ حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمہ اللہ نے اس کے حلال ہونے کا فتویٰ دیا تھا۔ اگر آپ کے پاس اس کا کوئی حوالہ ہو تو ارسال فرمادیں۔ ممکن ہے کہ آپ کو مغالطہ لگا ہو، یہ فتویٰ مولانا محمود حسن کا نہیں بلکہ مولانا ناصر بقی حسن کا ہے جو غیر مقلد پیشوا اور ان کے نواب ہیں۔ اور انھوں نے اسے علامہ شوکانی سے نقل کیا ہے۔ آپ اپنی مشہور کتاب دلیل الطالب علی ارجح المطالب میں لکھتے ہیں:

قال المشوکانی والحق ان ذبیحۃ الکافر حلال (دلیل ص: ۴۰۳)



امام شاکاؒ کہتے ہیں کہ حق بات یہی ہے کہ کافر کا ذکر یا جھوٹا حال ہے۔

سو یہ بات دیوبند کے ممتاز عالم کی نہیں بلکہ غیر مقلدوں کے پیشوا اور نواب صاحبان کی ہے۔

## تبرک آثار الصالحین کی حیثیت

**سوال :-** ۱۔ صوفیہ کے یہاں بزرگوں کے آثار سے تبرک کا جو رواج چل پڑا ہے کیا قرآن و سنت میں اس کی حیثیت ہے؟

**جواب :-** حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سر کے بال اس طرح حلق کراتے ہوئے دیکھا کہ آپ کے صحابہ نے آپ کو چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا اور ان میں سے ہر ایک آپ کے بال مبارک کو اس طرح حفاظت سے لیتے تھے کہ ایک بال بھی نیچے گرنے نہ دیتے تھے۔

روایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والحلاق یحلقة وقد اطاف به اصحابه فما يريدون ان تقع شعرة الا فی ید رجلی۔

(صحیح مسلم ج ۲- ص ۲۵۶)

ظاہر ہے کہ صحابہ نے یہ بال مبارک اس لیے جمع نہیں کیے تھے کہ اسے صرف سجا کر رکھنا ہے۔ صحابہ کا آپ کے بال مبارک کا اس محبت و عقیدت سے لینا بتا رہا ہے کہ وہ اس سے برکت حاصل کرنے کے بھی متنبی رہے ہیں، حتیٰ کہ حضرت انسؓ کی والدہ محترمہ حضرت ام سلیم نے آپ کے نہ صرف بال مبارک جمع کیے، بلکہ آپ کے پینے مبارک کو بھی حوط میں ملا کر محفوظ کیا تھا اور حضرت انسؓ نے بوقت وفات اس حوط کو اپنے کفن و بدن میں لگانے کی وصیت کی تھی۔ حضرت ام سلیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آرام کے لیے ایک چڑے کا بستر بچھا دیا کرتی تھیں اور (جب آپ ان کے گھر تشریف لے جاتے) وہاں اس پر آرام فرماتے تھے:

فاذا قام اخذت من عرقه وشعره فجمعته فی قارورة ثم جعلته فی سلك فلما حضر انس اوصی ان يجعل ذی حنوطه من ذلك

السلک۔ (صحیح بخاری ج ۲- ص ۹۶۹، صحیح مسلم ج ۲- ص ۲۵۷)

ترجمہ: جب آپ سو کر اٹھتے تو (اس بستر سے) آپ کا پینہ اور بال (جو سر یا داڑھی وغیرہ کا ٹوٹ جایا کرتا تھا) اسے جمع کر لیتیں اور ایک شیشی میں محفوظ رکھتیں پھر اسے حوط میں ملا دیتیں، جب حضرت انسؓ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے وصیت کی کہ ان کے حوط میں اس خوشبو میں سے (جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پینہ مبارک تھا) ملا یا جائے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ آثار سے برکت حاصل کرنا صحابہ کے یہاں معروف رہا ہے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ کے عمامہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بال مبارک رکھا ہوا تھا اور انھوں نے اس کی برکات کا مشاہدہ کیا تھا۔

حضرت امیر معاویہؓ کے پاس آثار نبویؐ میں ایک کرنا ناخن اور مونہ مبارک تھے۔ زندگی بھر برکت کے لیے اس کو حرز جان بنائے رہے، مرتے وقت وصیت کرتے گئے کہ مجھ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کریمہ رحمت فرمایا تھا، وہ اسی دن کے لیے محفوظ رکھا ہے اور ناخن اور مونہ مبارک شیشہ میں محفوظ ہیں، اس کرتہ میں مجھے کتنا ناور ناخن اور مونہ مبارک آنکھوں اور منہ کے اندر گر دینا، شاید خدا اس کی برکت سے مغفرت فرمادے۔

(سیر الصحابہ ج ۲- ص ۱۳۳ بحوالہ الاستیعاب ج ۱- ص ۲۶۲ ر لا بن عبد البر)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی حضرت بدیل بن ورقاء کے پاس آپ کا ایک خط مبارک تھا، جس کو آپ بہت عزیز رکھتے تھے، جب ان کے انتقال کا وقت قریب ہوا تو انھوں نے اپنے بیٹے کو وصیت کی کہ اس خط کی بہت زیادہ حفاظت کرنا جب تک یہ خط مبارک تمہارے پاس رہے گا تم لوگ خیر و برکت پاتے رہو گے۔

یا بنی هذا کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استوصوا بہ فلن تنالوا بخیر ما دام فیکم۔ (مسند القصاب ج ۱- ص ۳۶۰)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرات صحابہ نے خود آپ کی زندگی میں بھی اور آپ کے بعد بھی تبرکات نبویؐ سے فیض پایا ہے۔ غیر مقلد پیشوا مولانا وحید الرحمن صاحب حیدر آبادی کہتے ہیں کہ صحابہ و تابعین نے انبیاء کے تبرکات سے برکتیں لی ہیں اور اولیاء اللہ کی قبور سے برکات ملتی ہیں اور یہ تو حید کے منافی نہیں ہیں، آپ لکھتے ہیں:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کل چیزیں تبرک تھیں اور صحابہ و تابعین نے ان سے برکت لی ہے اور اسی حکم میں ہیں آثار صالحین اور قبور اولیاء اللہ اور جن لوگوں نے ان سے برکت لینے کو شرک کہا ہے، انھوں نے صریح غلطی کی ہے۔ (لفات الحدیث ج ۱- ص ۵۲)

مولانا موصوف ایک اور حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے یہ نکلا کہ آثار صالحین سے برکت لینا جائز ہے۔ (ایضاً ج ۲- ص ۲۱۵)

سو تبرک آثار الصالحین بدعت نہیں بلکہ یہ شروع سے چلا آرہا ہے اور صحابہ و تابعین کے ہاں یہ معروف رہا ہے۔

## ایک رات میں گیارہ رکعت سے زیادہ نوافل پڑھنا بدعت نہیں

**سوال :-** ۱۸۔ یہ کہا جاتا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ نے چالیس سال عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی تھی۔

۱۔ ساری رات عبادت میں گزار دینا کہیں بدعت تو نہیں؟

۲۔ ایک رات میں گیارہ رکعت سے زیادہ نوافل پڑھنا بدعت نہیں ہے؟

۳۔ کیا انسان پر زندگی کے دوسرے حقوق بھی ہیں یا نہیں؟

۴۔ بزرگوں کے معمولات میں یہ جو لکھا ہے کہ وہ رات کو سو سو رکعات پڑھا کرتے تھے کیا یہ باتیں بدعت میں داخل نہیں؟ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اس طرح ساری ساری رات نماز پڑھی ہے؟

**جواب :-** بیشک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات میں سو سو رکعات نوافل ادا نہیں فرمائے؛ لیکن آپ نے یہ کہیں نہیں کہا کہ جس نے آٹھ رکعات تہجد سے زیادہ نماز پڑھی اس نے بدعت کا ارتکاب کیا، یا کسی صحابی نے یہ بات کہی ہو کہ جو آٹھ سے زیادہ نوافل کا اہتمام کرتا ہے وہ سنت کے خلاف کرتا ہے۔ کون نہیں جانتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کثرت نوافل کی ترغیب دی ہے اور اس کے فضاہل بھی بتائے ہیں؛ اسی لیے اکابرین امت نے اس کا اہتمام کیا اور نوافل کی کثرت رکھی تھی۔ ہاں! کبھی کبھار ایسا بھی ہوا کہ آپ پوری رات نماز پڑھتے رہے اور قیام و رکوع و سجود میں آپ کا سارا وقت گزرتا رہا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بڑے عبادت گزار صحابی تھے، حضرت نافعؓ کہتے ہیں کہ ابن عمر رات بھر نمازیں پڑھتے تھے، صبح کے قریب مجھ سے پوچھتے کہ سپید صبح نمودار ہوا؟ اگر میں ہاں کہتا تو پھر طلوع و حرکت استغفار میں مشغول ہو جاتے اور اگر نہیں کہتا تو بدستور نماز میں مشغول رہتے۔ (الاصابہ ج ۴- ص ۱۰۹)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ بھی دن رات میں ہزار رکعات پڑھا کرتے تھے اور حضرت علی مرتضیٰؓ کا بھی یہ معمول رہا تھا:

و کذلک یروی عن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ و یروی عن عبداللہ بن عباس انه کان یصلی فی الیوم واللیلة الف رکعة رواہ الاوزاعی وغیرہ یروی انه کان یصلی بالنهار منها اربع مائة رکعة۔ (کتاب التہجد ص: ۲۱۲ للمحدث عبدالحق الاشبیلی ۵۱۸ھ المتوفی)

سیدنا حضرت ابو ہریرہؓ کے گھر میں ساری رات عبادت کا عمل جاری رہتا تھا، گھر والے باری باری اٹھ کر ایک ایک تہائی شب میں نماز پڑھتے تھے۔

(سیر الصحابہ ج ۳- ص ۱۲۳)

حضرت اسود بن یزید (۷۵ھ) تابعی ہیں، حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں زیادہ رہے ہیں۔ حافظ ذہبیؒ نے نقل کیا ہے کہ آپ روزانہ سات سو نوافل پڑھا کرتے تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱- ص ۶۰)

حضرت علی بن حسین المعروف امام زین العابدینؓ کی زندگی کا بیشتر حصہ عبادت میں گزرتا تھا، دن رات میں ایک ہزار رکعتیں پڑھتے تھے اور آخر دم تک اس کا معمول رہا، اس عبادت کی وجہ سے ان کا لقب ہی زین العابدین ہو گیا تھا۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱- ص ۶۵)

یہ قیام لیل سفر و حضر کسی حالت میں ناغہ نہ ہوتا تھا۔ (مختصر صفۃ الصفوة ص ۱۳۷- لا بن جوزی)

حضرت ابو ہریرہؓ کے داماد افضل التابعین حضرت سعید بن المسیبؓ نے پچاس سال عشاء کے وضو سے صبح کی نماز ادا کی ہے۔ صلی سعید بن المسیب الغدقاء بوضوء العشاء حمصیہ سنۃ۔ (صفۃ الصفوة ج ۲- ص ۵۷)

مگر کبھی حضرت ابو ہریرہؓ نے یہ نہیں کہا کہ آپ کا یہ عمل بدعت ہے اور نہ کبھی آپ نے ان پر دوسرے حقوق کے ادا نہ کرنے کا الزام لگایا۔

حضرت ابو ہریرہؓ کے شاگرد امام وہب بن منبہ (۱۱۳ھ) جنھیں امام ذہبیؒ نے حافظ الحدیث کا سہری لقب دیا ہے، آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

ثنی بن صباح کہتے ہیں کہ عموماً تیس سال تک وہب نے فجر کی نماز عشاء کے وضو کے ساتھ پڑھی ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱- ص ۹۸- طبقات ابن سعد ص ۳۹۶)

حضرت ابو بکر بن محمد بن عمرو (۲۰ھ) کی بیوی کبھی ہیں کہ آپ چالیس سال تک راتوں کو بستر کے قریب نہیں گئے۔ قال ما مضطجع ابوبکر علی فراشه منذ اربعین سنة باللیل۔ (صفۃ الصفوة ج ۲- ص ۹۲)

شیخ الاسلام امام سلیمان بن طرخان التیمی (۱۳۳ھ) کے بارے میں معترف کہتے ہیں کہ آپ نے چالیس سال عشاء کے وضو کے ساتھ صبح کی نماز ادا کی ہے۔

(سیر الصحابہ ج ۷- ص ۸۹۱)

حضرت عبداللہ بن عون (۵۱ھ) اپنے وقت کے محدث تھے، بڑے بڑے محدثین سے علم حدیث لیا تھا، ان کا معمول ہر رات میں کئی سو رکعتیں پڑھنے کا تھا۔ (طبقات ابن سعد سیر الصحابہ ج ۷- ص ۲۶۳ ھ ۱۲)

مدینہ منورہ کے مشہور زاہد حضرت مصعب بن ثابت (۲۵۷ھ) صائم الدھر تھے اور دن رات میں ہزار رکعات ادا کرتے تھے: کان یصلی فی کل یوم وليلة الف رکعة ویصوم الدھر۔ (صفۃ الصفوة ج ۲- ص ۱۹۹)

حضرت امام حسین بن فضل انیس پوری (۲۸۲ھ) جنھیں علامہ سیوطی امام عصرہ فی معانی القرآن کا خطاب دیتے ہیں، دن رات میں چھ سو رکعات ادا کرتے تھے۔ آپ لکھتے ہیں: وکان من العلماء الکبار العابدین برکع کل یوم وليلة ست مائة رکعة وقبره هناك مشہور بزار۔ (طبقات المفسرین ص ۳۸)

محدث جلیل حافظ عبدالحق بن عبد الرحمن الاشبیلی (۵۸۱ھ) حضرت جنید بغدادی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ آپ روزانہ چار سو رکعت پڑھتے تھے: کان یصلی الجنید کل یوم اربع مائة رکعة۔ (کتاب التہجد ص ۲۱۷)

حضرت عبدالرحمن بن اسود کا معمول چھ سو رکعات پڑھنے کا تھا:

کان عبدالرحمن یصلی کل یوم وليلة ست مائة رکعة ویروی الف رکعة۔ (ایضاً ص ۲۱۸)

حضرت کرز بن حارث کا معمول بھی یہی تھا یعنی ہزار رکعات کا۔ (ایضاً ص ۲۳۱)

گھمسن بن حسن کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ دن رات میں ہزار رکعت پڑھتے تھے، جب عمر بڑھ گئی اور کمزور ہو گئے تو پھر پانچ سو رکعت پڑھا کرتے تھے اور اس پر رو کیا کرتے تھے کہ میں ہزار نہیں پڑھ سکا:

”وکان کھمس بن الحسن یصلی کل یوم وليلة الف رکعة فلما کبر وضعف اقتصر علی خمس مائة وکان یمکی ایضا ویقول ذھب نصف عملی“ (کتاب التہجد ص ۲۱۷ صفۃ الصفوة ج ۳- ص ۲۱۷ ر لا بن الجوزی)

حضرت مرثد بن شراحیل کا بھی یہی معمول تھا، عمر کے بڑھ جانے پر پھر آپ چار سو رکعات پڑھنے لگے: ”و کذلک کان مرة بن شراحیل کان یصلی کل یوم وليلة الف رکعة فلما کبر وتبدن کان یصلی کل یوم اربع مائة رکعة“ (ایضاً صفۃ الصفوة ج ۳- ص ۲۱۷ ر لا بن الجوزی)

اسی طرح بہت سے صلحاء کا یہ معمول رہا ہے: ”و کذلک بعض الصالحین یصلی کذلک الف رکعة۔ (ایضاً)

حضرت محدثین اور اکابرین امت کے ان معمولات سے پتہ چلتا ہے کہ شریعت نے نوافل کی کوئی تعداد مقرر نہیں کی کہ اس سے زیادہ پڑھنا خلاف سنت سمجھا جائے، اب جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضور نے ایک رات میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھی؛ اس لیے اس پر زیادتی کرنا بدعت ہے، ہوا ان کا یہ بیان خود زیادتی پر مبنی ہے۔ اگر اس بات میں ذہر مجھ بھی وزن ہوتا تو صحابہ کرام کیا یہ بدعی عمل اختیار کر سکتے تھے؟ اور کیا اعیان اسلام کی ایک بڑی تعداد اس بدعت پر جان چھڑک سکتی تھی۔ جو غیر مقلد علماء اس قسم کی بیان بازی کرتے رہتے ہیں، انہیں اپنے پیشوا مولانا وحید الرحمن کا یہ بیان پڑھ لینا چاہیے جس میں انھوں نے نکل کر کہا ہے کہ یہ بدعت نہیں ہے۔ مولانا وحید الرحمن حیدر آبادی کہتے ہیں:

بعض صلحاء امت اور بزرگان سلف کے بارے میں جو روایات مذکور ہیں کہ وہ شب میں سو سو رکعتیں پڑھا کرتے تھے تو یہ بدعت اس وجہ سے نہیں کہ نقل نماز آنحضرتؐ سے بلکہ بقید و بلا تعین ثابت ہے یعنی نوافل کے لیے آپ نے کوئی تعداد مقرر نہیں فرمائی ہے۔ (لفات ج ۲- ص ۹۰)

حضرت امام ابو حنیفہؒ یا اسی طرح دوسرے اکابرین کے بارے میں یہ جو لکھا ہے کہ انھوں نے چالیس پچاس سال تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کی اس میں یہ الفاظ کہیں نہیں ملتے کہ ان بزرگوں کا یہ عمل متواتر رہا تھا، یعنی ایک رات بھی ان کی ایسی نہ تھی جس میں روزانہ کا یہ معمول ترک ہو گیا ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان بزرگوں نے اپنی پوری عمر میں چالیس پچاس سال عشاء کے وضو سے نماز فجر پڑھی ہوں۔ جس طرح حضرت مولانا اعطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رحمہ اللہ کہا کرتے تھے کہ آپ نے آزادی ہند میں بارہ سال جیل کاٹی ہے، کوئی شخص اس کا یہ مطلب لے لے کہ یہ بارہ سال متواتر جیل ہی میں رہے تو یہ درست نہیں، اسی طرح ان بزرگوں کا یہ معمول عمر کے پھیلاؤ میں تو ہو سکتا ہے؛ لیکن متواتر ایسا ہوا ہو یہ ہماری نظر سے کہیں نہیں گزرا۔

محدثین کے ہاں اعمال میں وسعت ہے اور انہیں جاہل ثنائتا شرت ہے۔

**سوال :-** ۱۹۔ نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنے کی جب صحیح حدیثیں موجود ہیں، پھر حنفی لوگ اس پر عمل کیوں نہیں کرتے؟

**جواب :-** نماز میں ہاتھ باندھنے کی مختلف کیفیات ہیں اور ان پر روایات موجود ہیں تاہم یہ بات درست نہیں کہ سینہ پر ہاتھ باندھنے کی حدیثیں صحیح ہیں۔ حضرت علی مرتضیٰؓ نے جس عمل کو سنت کہا ہے وہ تحت اسمرہ ناف کے نیچے باندھنا ہے۔ (رواہ الامام احمد۔ و ابوداؤد و هذا ینصرف الی سنة النبی صلی اللہ علیہ وسلم) (المغنی ج ۱- ص ۲۷۲)



امام ترمذی نے اہل علم صحابہ اور تابعین کا جو عمل نقل کیا ہے، وہ یہ ہے کہ بعض حضرات ناف کے اوپر باندھتے تھے اور بعض ناف کے نیچے۔ امام ترمذی اس پر لکھتے ہیں کہ محدثین کے یہاں اس میں وسعت ہے؛ یعنی اگر چاہے تو ناف کے اوپر باندھ لے، چاہے تو ناف کے نیچے۔ البتہ سینہ پر ہاتھ باندھنے کا معمول صدر اراول میں معروف نہ تھا۔ غیر مقلد علماء نے اسے تسلیم کیا ہے۔ فتاویٰ علمائے حدیث میں ہے:

”سینے پر ہاتھ باندھنے کی حدیث نہ اندر اربعہ کو پہنچی نہ بی صحابہ و تابعین کے زمانہ میں اس پر عمل تھا، تاہم یہ عمل نہ ہوتا تنقیح کی دلیل نہیں۔ (فتاویٰ ج ۳- ص ۹۴) اس میں یہ بات مانی گئی ہے کہ صدر اراول میں یہ عمل عام نہ تھا اور اندر اربعہ کے دور میں بھی اس حدیث کی کہیں اشاعت نہ ہوئی، افسوس کہ جس عمل کا یہ حال ہے غیر مقلدین نہ صرف یہ کہ اس پر اصرار کرتے ہیں، بلکہ دوسروں کو حدیث کا مخالف قرار دے کر مذاق بھی کرتے ہیں۔ غیر مقلدوں کے مولانا محمد ضیف فریدی کوئی صاحب کا یہ بیان کیا حق کی آواز ہے، اس کا فیصلہ غیر مقلد علماء کریں، وہ لکھتے ہیں:

”حنفیوں کی نماز نہیں ہوتی، کیوں کہ یہ آئمہ متنازل پر ہاتھ باندھتے ہیں۔ (قول حق ص ۲۱) غیر مقلدوں کے مرد و نادان عالم مولانا فیض عالم قاضی کا کہنا ہے کہ (تحت السرة) ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کا عمل حنفیوں نے صرف اس لیے اپنا لیا کہ اس سے ان کا ازار بند محفوظ رہے، اگر سینہ پر باندھیں تو ان کا ازار بند رگھل جاتا ہے۔ (دیکھئے: اختلاف امت کا المیہ ص: ۷۸) استغفر اللہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ امام ترمذی نے اس عمل کے جن دونوں پہلوؤں کا ذکر کیا ہے، آپ نے تحت السرة اور فوق السرة کہا ہے، تحت الصدر یا فوق الصدر نہیں کہا؛ آپ لکھتے ہیں:

والمعمل علی هذا عند اهل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم و التابعین ومن بعدهم یرون ان یضع الرجل یمینہ علی شمالہ فی الصلوۃ و رای بعضہم ان یضعہا فرق السرة و رای بعضہم ان یضعہما تحت السرة و کل ذلك واسع عندهم۔

(جامع ترمذی ج ۱- ص ۳۳)

اس سے محدثین کے مزاج کا پتہ چلتا ہے کہ اگر صحابہ کے یہاں دو طرح کے عمل جاری ہوں، تو وہ اسے کسی طرح لائق نفرت نہیں سمجھتے اور نہ اس پر تشدد کی راہ اپناتے ہیں، انہیں پتہ ہے کہ اسلام کا مزاج اس سلسلے میں وسعت کا ہے، مگر افسوس صد افسوس کہ غیر مقلدین علماء حضرات محدثین کے اس مزاج کو جہالت کہتے ہیں۔ غیر مقلد پروفیسر حافظ عبد اللہ بھالوی کہتے ہیں کہ سینہ پر ہاتھ باندھنے والے زندہ لوگ ہوتے ہیں جب کہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے والے مرے ہوئے لوگ ہوتے ہیں۔ ان کا بیان دیکھئے:

”آپ نے دیکھا ہوگا کہ کوئی ڈھیلا اہل حدیث جیسے کوئی مر رہا ہے، ہاتھ نیچے آ جائیں گے اور اگر کوئی زندہ ہوتا نہ ہو، اس سے پوچھو کہ ہاتھ کہاں باندھے جاتے ہیں، یوں کہہ گا گئی ہاتھ سینے پر باندھے جاتے ہیں اور جب وہ سو رہا ہو ڈھیلا ہو رہا ہے تو ہاتھ یہاں آ جائیں گے اور اگر وہ بالکل ٹہنی سی ہو تو نیچے بالکل چلے جائیں گے۔۔۔ پھر آپ کہیں گے کہ جی سب ٹھیک ہے اسے کیا کہیں گے؟ کیونٹی علمی جملہ ہے یا یہ جملہ جہالت کا ہے۔ (خطبات بھالوی ری، ص ۳۳۶) کسی نے آج تک یہ نہیں کہا کہ جو سینہ پر ہاتھ باندھتا ہے اس کی نماز نہیں ہوتی اور نہ کسی نے اس عمل کا مذاق اڑایا ہے، یہ غیر مقلدین ہیں، جو بات بات پر حدیث شریف سے یہ لکھا ذکر کرتے ہیں اور اہل سنت کی ضد میں سنت رسول کو مذاق کا نشانہ بناتے، ذرا بھی جیہ نہیں آتی، اس راہ میں اگر حضرات محدثین آتے ہیں تو انہیں بھی جاہل بتاتے اور کوئی خوف خدا نہیں آتا۔

## مسئلہ حیات النبی اور غیر مقلدین علماء

**سوال:-** ۲۰ حضور ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں یا نہیں اور اگر کوئی زائر آپ کی قبر پر آ کر سلام کہتا ہے، تو اسے آپ سنتے ہیں یا نہیں؟

**جواب:-** آنحضرت ﷺ اپنی قبر مبارک میں با حیات ہیں اور جو شخص آپ کی قبر پر آ کر سلام کہتا ہے، آپ اس کے سلام کو سنتے بھی ہیں؛ یہ عقیدہ کوئی نیا نہیں، شروع سے چلا آرہا ہے؛ اس پر متقدمین نے مستقل کتابیں لکھی ہیں اور احادیث اور اجماع امت سے اس کا ثبوت پیش کیا ہے۔ محقق احقر حضرت علامہ خالد محمود صاحب دامت برکاتہم کی اس موضوع پر ضخیم تصنیف ”مقام حیات“ قابل مطالعہ ہے، جس میں بدلائل اس مسئلہ کو واضح کیا گیا ہے اور ہر شہادت کے جوابات دیئے گئے ہیں۔

غیر مقلدوں کو یہ بات تسلیم کرنی پڑتی ہے کہ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ اور ان کے تلمیذ رشید حافظ ابن قیم بھی حیات انبیاء کے تائل ہیں، اس گروہ کے خواجہ محمد تقاسم اپنی کتاب کراچی کا عثمانی مذہب (ص: ۵۳) میں لکھتے ہیں:

”یہ استاد شاگرد ایک حد تک سماع موتی کے تائل تھے، مگر جس طرح وہ ظلم کے پہاڑ تھے دلائل کی رو سے ان کی یہ بات اتنی وزنی اور مضبوط نہیں، یہ ان کی اجتہادی خطا ہے کو ان کا عقیدہ تھا کہ میت سلام اور تلاوت سن لیتی ہے، مگر وہ ان سے کسی قسم کی استمداد کو جائز نہیں رکھتے تھے۔۔۔ (موصوف نے ڈاکٹر عثمانی سے نقل کیا ہے کہ) ”التوسل والوسیلہ“ میں حافظ ابن تیمیہ کا بیان ہے:

و كذلك الانبياء والصالحون وان كانوا احياء في قبورهم وان قدر انهم يدعون للاحياء وان يوردت به آثار فليس لاحد ان يطلب منهم ذلك ولم يفعل ذلك احد من السلف۔

اسی طرح انبیاء اور صالحین اگرچہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور زندوں کے لیے دعائیں بھی کرتے ہیں، اس سلسلہ میں کچھ روایتیں بھی آتی ہیں تاہم ان سے مانگنا کسی کے لیے جائز نہیں۔ سلف سے یہ ثابت نہیں ہے۔ (التوسل والوسیلہ، ص: ۳۶)

علامہ قاضی شوکانی بھی اس کے تائل ہیں:

وقد ورد النص في كتاب المله في حق الشهداء انهم احياء يزقون وان الحيرة فيهم متعلقة بالجسد فكيف بالانبياء

والمرسلين وقد ثبت في الحديث ان الانبياء احياء في قبورهم۔ الخ (مثل الاوطار، ج ۳- ص ۶۲۳)

وانه صلى الله عليه وسلم حي في قبره بعد موته كما في حديث الانبياء احياء في قبورهم۔ (إيضاح، ۵- ص ۱۰۱)

کوئی یہ نہ سمجھے سعودی عرب کے شیخ اشباح محمد بن عبد الوہاب حیات انبیاء کے تائل نہ ہونگے نہیں ان کے بیٹے شیخ عبد اللہ نے صریح لفظوں میں حیات اور سماع کو تسلیم کیا ہے، آپ لکھتے ہیں:

والمدى نعتقد ان رتبة نبينا صلى الله عليه وسلم اعلى مراتب المخلوقين على الاطلاق وانه حي في قبره حيوة مستقرة البع من حيات الشهداء المنصور عليها في التنزيل اذ هو افضل منهم بلا ريب وانه يسمع من يسلم عليه۔ (توالت احوال، ص: ۴۱۵)

سعودی عرب کے علماء بھی سماع موتی کے تائل رہے ہیں، ممتاز عالم اور ریاض یونیورسٹی محمد امام الدعوة کے مشہور مدرس اپنی تالیف الاسئلة والاجوبة الفقہیہ میں ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

ويعرف السميت زائره يوم الجمعة قبل طلوع الشمس قاله احمد وفي الغيبة يعرفه كل وقت وهذا الوقت أكد وقال ابن القيم الاحاديث والآثار تدل على ان الزائر متى جاء علم في المذور وسمع كلامه وانس به وهذا عام في الشهداء وغيرهم وانه لا تنفويت في ذلك۔ (الاسئلة والاجوبة ج: ۱- ص: ۲۸۹)

جب ایک عام مسلمان اور شہداء کے بارے میں یہ حال ہے تو کیا انبیاء کرام کا سماع اور ان کی حیات بدرجہ اولیٰ ثابت نہ ہوگی۔

افسوس کہ اس وقت حافظ ابن تیمیہ کے نام لیوا عرب کے کچھ سلفی علماء اور عجم میں ان کے تابعین (غیر مقلدین) کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں بے حس و حرکت پڑے ہوئے ہیں:

السلجنة الدائمة کے مفتی صاحبان فرماتے ہیں کہ قبر میں میت کی حرکت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، یہ میت نبی کی ہو یا غیر نبی۔ سب کا حکم ایک ہے: ”الاحصل فی السميت نبيا او غيره انه لا يتحرك في قبره بمديد او غيرها“ (الرد یوندیس، ۹۹)

لفظ کی بات یہ ہے کہ یہی خواجہ صاحب دوسری جگہ لکھتے ہیں، میت ہر صورت میت ہے، چاہے وہ کسی پیغمبر کی ہو یا غیر پیغمبر کی، محفوظ ہو یا غیر محفوظ۔

(قبر پرستی، ص: ۷۷)

البتہ اہل حدیث باصطلاح جدید کے پہلے طبقہ کا عقیدہ یہی رہا ہے کہ حضور اپنی قبر میں (میت نہیں بلکہ) حیات ہیں اور صلوٰۃ و سلام سنتے ہیں ظاہر ہے کہ بقول ان کے وہ سب باتیں قرآن وحدیث کے دواصول پر ہی کہتے ہیں۔ شیخ اکل فی اکل مولانا ندیر حسین دہلوی (۱۳۰۲ھ) ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

اور انبیاء کرام اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں، خصوصا آنحضرت۔۔۔ کہ فرماتے ہیں جو کوئی عند القبر درود بھیجتا ہے میں سنتا ہوں اور دور سے پہنچا جاتا ہوں۔

(فتاویٰ ندیر، ج ۲- ص ۵۵، تسکین الصدور ص ۲۶۳)

جماعت غربائے اہل حدیث کے امام مولانا مفتی عبدالستار صاحب ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

ہاں صرف اتنا کہنا کہ اگر آپ کی قبر پر جا کر درود سلام پڑھا جائے تو آپ سنتے ہیں بیشک ٹھیک ہے۔ (فتاویٰ ستاریہ ج ۱- ص ۱۸۱)

غیر مقلد عالم مولانا عبد القہار سلفی لکھتے ہیں:

جو شخص آپ کی قبر پر جا کر سلام کہتا ہے، اس کا سلام آپ خود سنتے ہیں یہاں سے نہیں سنتے؛ کیوں کہ فرشتے پہنچانے کے لیے اللہ نے مقرر فرمائے ہیں۔

(فتاویٰ ج ۳- ص ۹۱)

موصوف ایک اور سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

قبر والے کسی کی بھی آدھ پکا نہیں سنتے قرآن مجید میں ہے: ”وما انت بمسمع من فی القبور“ ہاں نبی علیہ السلام کی قبر پر جا کر درود سلام پڑھا جائے تو آپ سنتے ہیں جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے۔ (ایضاً ص: ۱۱۷)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ جو لوگ مذکورہ آیت سے حضور کے عدم سماعت پر استدلال کرتے ہیں، ان کا یہ استدلال درست نہیں۔ آیت سے غیر انبیاء کے لیے بیشک استدلال کیا جا سکتا ہے مگر پیغمبر اس سے مستثنیٰ ہیں۔ یہ بات غیر مقلد مفتی فرما رہے ہیں۔ مولانا موصوف اپنے رسالہ تجلیل المناسک میں لکھتے ہیں کہ حضور نے فرمایا:

جو میری قبر کے پاس کھڑا ہو کر سلام یاد رو دھیجتا ہے تو میری روح قبر میں لوٹا جاتی ہے اور اس کا جواب دیتا ہوں۔ (ص ۸۲ فتاویٰ ج ۳- ص ۱۳۰)

جماعت اہل حدیث کے امام مولانا مفتی عبدالستار صاحب نے اس پر الجواب صحیح لکھا ہے۔

لیجئے غیر مقلد پیشوا نواب وحید الرحمان حیدر آبادی لکھتے ہیں:

انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور اولیاء اللہ بھی ہو سکتا ہے کہ زندہ ہوں، مگر وہ زندگی میں بھی اسی کی سنتے تھے جو ان کے پاس رہ کر پکارے، نہ یہ کہ کوسوں یا منزلوں سے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی میری قبر کے پاس آ کر درود پڑھتا ہے تو میں سن لیتا ہوں اور جو کوئی دور سے پڑھتا ہے، تو فرشتے مجھ کو لاکر پہنچاتے ہیں، پھر جب حضور دور سے نہیں سنتے تو دوسرے اولیاء کس شمار میں ہیں۔ (افتاح الحدیث ج ۱- ص ۱۳۰)

غیر مقلد پیشوانے اقرار کیا ہے کہ حضور اپنی قبر میں زندہ ہیں اور سلام کرنے والے کا سلام سنتے ہیں، بلکہ انھوں نے ایک کونہ اولیاء کی حیات اور ان کا سماع بھی تسلیم کیا ہے۔ موصوف ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

جب کوئی میری امت میں سے مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح مجھ پر بھیج دیتا ہے تاکہ میں اس کے سلام کا جواب دوں، اس حدیث میں یہ اشکال ہے کہ دوسری حدیثوں سے یہ ثابت ہے کہ انبیاء اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں، مگر ان کی ارواح مقدسہ اپنے پروردگار کی بارگاہ کی طرف متوجہ ہیں۔ دنیا کی طرف ان کی توجہ نہیں ہے جب کوئی ان کو سلام کرتا ہے تو اس وقت ان کی روح اھر متوجہ ہوتی ہے تو روح سے اس کا متوجہ کرنا مراد ہے۔ (فتا الحدیث ج ۲- ص ۶۳)

اس سے واضح ہے کہ اہل حدیث باصطلاح جدید کے پیشوا حیات النبی کے عقیدے میں کسی بدعت کے مرتکب نہ تھے۔ ہاں موجودہ دور کے غیر مقلدین اس مسئلہ میں اپنے بزرگوں کو غلطی پر سمجھتے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ وہ اپنے بزرگوں کی نسبت قرآن وحدیث کا زیادہ علم رکھتے ہیں اور اپنے بزرگوں کے بجائے ان کا عقیدہ زیادہ توجہ پر مبنی ہے۔ مگر مولانا وحید الرحمان بہت پہلے یہ فیصلہ بنا چکے ہیں کہ یہ لوگ اہل حدیث نہیں ہیں بلکہ ان لوگوں نے یہ نام چوری کر لیا ہے۔ آپ سماع موتی پر لکھتے ہیں:

ہم نے اس مسئلہ سماع موتی میں معتزلہ فقہاء اور بعض ان نام چوروں کی مخالفت کی ہے، جنھوں نے اپنا نام اہل حدیث رکھ رکھا ہے، جب کہ وہ اہل حدیث نہیں ہیں۔ (ہدیہ الہدی ص: ۶۰)

اب اگر ان غیر مقلدوں کے بارے میں یہ کہا جائے کہ طبقہ محدثین (اہل حدیث) سے ان کی کوئی نسبت نہیں بلکہ یہ ایک نیا فرقہ ہے جو سال پہلے انگریزی عمل داری میں پیدا ہوا ہے اور انھوں نے یہ نام (اہل حدیث) چوری کر لیا ہے، تو اس میں غیر مقلدوں کو برا نہیں ماننا چاہیے؛ کیوں کہ یہ فیصلہ ان کے نواب اور پیشوا کا ہے۔ اور نواب صدیقی حسن خاں صاحب قنوجی نے بھی اسے جدید فرقہ ہی بتایا ہے۔ اور اس جماعت کے فرقہ ہونے کی شہادت تو خود ان کے اپنے گھروالے بھی دیتے ہیں۔ جماعت المسلمین کے رہنما مسعود احمد صاحب لکھتے ہیں:

ہم اس جماعت کو فرقہ سمجھتے ہیں۔ (حدیث بھی کتاب اللہ ہے ص: ۷۷)

اگر مسعود صاحب کی اس شہادت سے اتفاق نہ ہو تو غیر مقلدوں کے ایک بڑے عالم کا فرمان حالی شان بھی ملاحظہ فرمائیے، جو ان کے اپنے جماعتی آرگن میں شائع ہوا۔

یہ جماعت ایک تحریک کے بجائے ایک فرقہ بن کر رہ گئی ہے۔ (ماہنامہ محدث، جمادی الاولیٰ ۱۴۰۰ھ ص: ۲۶۶)

(از: مولانا محمد اقبال رگونی)

